بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ

الم یأن للذین آمنوا ان تخشع قلوبہم لذکر اللہ

کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں کو، کہ گڑگڑائیں اُن کے دل اللہ کی یاد سے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لکل شیء صقالة وان صقالة القلوب ذکر اللہ

ہر چیز کا ایک چمکانے والا ہوتا ہے اور قلوب کو چمکانے والا اللہ کا ذکر ہے

صِقالۃ القلوب

جس میں

حسب الارشاد قطب الاقطاب حضرۃ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم

سلاسل اربعہ کے ابتدائی اذکار و اشغال مع جمیع فوائد کے جمع کیے گئے ہیں

جس کا مطالعہ

حضرت شیخ دامت برکاتہم کے متوسلین میں ذکر تعلیم کرنے والوں کے لیے

نمونہ اور عام سالکین کے لیے موجب شوق و شرح صدر ہے

مرتبہ

محمد اقبال مدینہ منورہ

الناشر

الدکتور محمد اسمٰعیل المیمنی المدنی

ملنے کا پتہ

ادارۂ اسلامیات ۱۹۰- انارکلی - لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صِقَالتُہ القُلُوبْ

حسب الارشاد
قطب الاقطاب حَضرت شیخ الحَدیث مولانا مُحمّد زکریّا صَاحب دامت برکاتہم

مُرتّبہ

حَضرت اقدس صُوفی **مُحمّد اقبَال** صَاحب (مدنی)

معاونت خصوصی برائے ترتیب و کمپوزنگ
حضرت جناب **آفتاب احمد** (مدینہ منورہ)

ترتیب و کمپوٹر کمپوزنگ: محمد نور باری

مکـــــتبہ اقبـالیہ

نور حراء پبلیشرز

ای میل: noorbari786@gmail.com فون: 0092-312-2502281

۷ شعبان المعظم ۱۴۴۳

پہلی بار عکسی : ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ
باہتمام : اشرف برادران سلمہم الرحمٰن
طباعت : شرکت پرنٹنگ پریس لاہور
کتابت : سید محمد ابراہیم خوشنویس لاہور

قیمت :

ملنے کے پتے

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
دارالاشاعت اردو بازار۔ کراچی نمبرا
مکتبہ رشیدیہ۔ غلہ منڈی ساہیوال
ادارۃ المعارف دارالعلوم کراچی
مکتبہ دارالعلوم۔ دارالعلوم کراچی
مکتبہ رحمانیہ۔ اردو بازار لاہور
کتب خانہ یحیوی مظاہر العلوم سہارنپور انڈیا
مکتبہ امدادیہ بالمقابل باب العمرہ مکہ مکرمہ سعودی عربیہ

فہرست مضامین صقالۃ القلوب

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
مقدمہ از مرتب جسمیں رسالہ تالیف کرنیکا حکم	۱۳	صحبتوں کا فرق۔	۳۳
اور وجہ۔	۱۴	حصول نسبت میں ذکر اللہ اور اشغال کی	
تفصیل ابواب و فصول رسالہ	۱۷	فضیلت و اثرات۔	۳۴
پرچہ ابتدائی معمولات کا مقصد و اہمیت	۱۸	ذکر اللہ سے تزکیہ و اصلاح کی دوسری دلیل۔	۳۵
نسبت کی حقیقت	۱۹	ذکر اللہ سے تزکیہ کی تیسری، چوتھی اور	
صاحبِ نسبت کا حال	۲۰	پانچویں دلیل۔	۳۶
صاحب نسبت کو دنیا میں جنت کا مزا	۲۱	ذکر اللہ سے اوصاف حسنہ حاصل ہونے	
حصول نسبت کے لئے اذکار و اشغال اختیار		کی وجہ۔	۳۷
کرنے کی وجوہات۔	۲۳	تزکیہ و تصفیہ اور نور یقین حاصل ہونے	
عہد رسالت میں حصول نسبت	۲۳	میں عشق کے سبب ہونے کی وجہ۔	۳۸
صحابہ کرام کے بعد حصول نسبت	۲۴	ارواح و قلوب کے عشق کی قدامت۔	۳۸
حضرت حنظلہ رض کی روایت	۲۶	حصولِ عشق اور جذب میں ذکر اللہ کے سبب	
صحبت اولیاء اور اذکار بطریق صوفیاء سے		ہونے کی توضیح۔	۴۰
کامیاب ہونے والوں کی شہادت۔	۲۹	ذکر کی کرشمہ سازی اور تصرف۔	۴۲
اولیاء کی صحبت کا حکم	۳۰	اس کے بعد کیا ہوگا؟	۴۴
صحبت کے مؤثر ہونے کی دوسری دلیل	۳۰	بیعت ہونے والوں کے لئے تطلب الاقطاب	
صحبت کے مؤثر ہونے کی تیسری اور چوتھی دلیل	۳۰	حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم کا طرز	۴۵
صوفیاء کرام کے سلاسل کا اور طریقوں کا تسلسل	۳۱	تعلیم و تربیت کی ترتیب۔	

حضراتِ چشتیہ کے اذکار و اشغال۔	۴۸
ذکرِ جہر دوازدہ تسبیح۔	۴۸
دوازدہ تسبیح کے طریقہ اور ترتیب سے حصول مقصد کی توضیح۔	۴۹
دوازدہ تسبیح کا طریقہ۔	۵۰
نفی اثبات کا چھوٹا نصاب۔	۵۱
ملفوظات متعلقہ نفی اثبات۔	۵۲
پاس انفاس۔	۵۶
پاس انفاس کی تعلیم و تجویز۔	۵۸
پاس انفاس کے طریقہ کا پہلا مرحلہ	۵۸
پاس انفاس کے طریقہ کا دوسرا مرحلہ	۶۱
اسم ذات زبانی بلا جہر و بلا حرکت۔	۶۳
اسم ذات کا ذکر مع ضربات۔	۶۴
سلطان الاذکار وھبی۔	۶۴
سلطان الاذکار کسبی کا طریقہ۔	۶۵
فصل مراقبات کے بیان میں۔	۶۶
فضیلت مراقبہ موت اور طریقہ	۶۶
مراقبہ دعائیہ اور اس کا طریقہ	۶۸
مراقبہ معیت۔	۶۹
مراقبہ معیت کی تلقین کا وقت اور طریقہ۔	۶۹
مراقبہ معیت میں صفت صمدیت شامل کرنا۔	۷۰
مراقبہ صمدیت والے کی حالت۔	۷۲
ایک ہندو لڑکے کی حکایت۔	۷۲
ذاکر کے پریشان ہونے کی حقیقت۔	۷۳
ضروری وضاحت در بارہ پاس انفاس۔	۷۴
فصل سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے اذکار و اشغال	۷۶
ذکر خفی کے فضائل۔	۷۶
ذکر خفی کا طریقہ اور لطائف ستہ۔	۷۸
اسم ذات خفی کا طریقہ۔	۷۹
ذکر نفی اثبات خفی کا طریقہ۔	۸۰
ذکر نفی اثبات خفی کا دوسرا طریقہ۔	۸۲
ذکر رابطہ یا طریقہ صحبتِ شیخ۔	۸۲
مجلس ذکر میں درسِ کتاب کے وقت بیٹھنے کا طریقہ۔	۸۸
شیخ سے فیضیاب ہونے اور فیض کو باقی رکھنے میں تین اہم امور۔ کیفیت آمد فیض۔	۸۹
صحبت شیخ کا کامل اور دیرپا اثر حاصل کرنے کا طریقہ۔	۹۰
توحید مطلب سے متعلق ایک اہم مسئلہ۔	۹۱
اپنے شیخ اور رہنما کے علاوہ دوسرے مشائخ حقہ سے تعلق کی نوعیت۔	۹۲
فیض شیخ کو باقی رکھنا۔	۹۲

فصل سلسلہ قادریہ جیلانیہ کے اذکار و اشغال۔ ۹۳
کلمہ طیبہ کا ذکر۔ ۹۳
نفی اثبات کا طریقہ۔ ۹۳
شغل اسم ذات کا طریقہ۔ ۹۴
پاس انفاس بذریعہ اسم ذات و نفی اثبات مراقبہ۔ ۹۴
فصل مشائخ کے توجہ دینے کا طریقہ اور اس کی شرائط و اقسام۔ ۹۶
توجہ متعارف کا طریقہ۔ ۹۷
غائبانہ توجہ دینا۔ ۹۷
توجہ متعارف کے اثرات کی نوعیت۔ ۹۹
دیگر اکابر کے یہاں توجہ کے دوسرے طریقہ کا بیان۔ ۹۹
سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے اذکار و اشغال۔ ۱۰۲
ذکر و شغل پورا کر لینے والوں کی خدمت میں گذارش ۱۰۴
ہدایات برائے ذاکرین۔ ۱۰۶
فہرست کتب برائے متوسلین حضرت شیخ جو ابتدائی معمولات کے پرچہ پر عمل کرتے ہوں۔ ۱۰۷
فہرست کتب برائے ذاکرین و مجازین۔ دیگر متعلقہ کتب۔ ۱۰۷
نصائح سلوک برائے ذاکرین۔ ۱۰۸
اضافہ ذکری لذاکرین۔ ۱۰۹
خلوت اور خلوت کی نیت۔ ۱۱۱
مجلسِ ذکر۔ ۱۱۵
ختم خواجگان۔ ۱۱۶
اذکار و اشغال اختیار کرنے کے باوجود بعض طالبین کی ناکامی کی وجوہات۔ ۱۱۸
علماء حضرات کی خدمت میں عاجزانہ گذارش۔ ۱۲۳
قطب الاقطاب حضرت شیخ و حضرت اقدس رائپوریؒ۔ ۱۲۶
دوسرا اہم خواب۔ ۱۲۸
دیگر حضرات اکابر کے ارشادات۔ ۱۳۰
قطب العالم حضرت گنگوہیؒ کا ارشاد۔ ۱۳۱
حضرت اقدس سہارنپوری مہاجر مدنی کا ارشاد ۱۳۲
حضرت اقدس رائے پوریؒ کا ارشاد۔ ۱۳۲
ذکر کی لائن کے بارے میں حضرات علماء کرام کے چار مشہور اشکال۔ ۱۳۳
آجکل مدارس دینیہ میں طلباء کو بیعت و ذکر کی طرف لگانا اور مدرسہ کیساتھ خانقاہ کا قیام و حالات دار العلوم بری انگلینڈ۔ ۱۳۴

تعارف

زیرنظر رسالہ صقالۃ القلوب کے مرتب حضرت مولانا صوفی محمد اقبال صاحب ہوشیارپوری ثم مدنی دامت برکاتہم کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں۔ تصوف وسلوک کے متعلق ان کے کئی رسالے دعوت فکر وعمل دے چکے ہیں۔ ابتداء سن شعور سے ہی انہیں اکابر علمائے کرام کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل رہا۔ ندوۃ العلما لکھنو میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم سے فیض صحبت کا موقع ملا۔ دارالعلوم دیوبند پہنچے تو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت اقدس میں حاضری اور اخذ فیض کا شرف حاصل ہوا۔ مظاہر العلوم سہارنپور آئے تو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور انہیں سے بیعت ہو گئے۔ تینوں جگہ دینی تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفس اور تربیت باطن میں بدل وجان کوشاں رہے۔ مدینہ طیبہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی حاضری کا شوق پیدا ہوا تو رئیس المہندسین الحاج عبدالرشید ارشد صاحب مرحوم کی معیت میں قرب نبوی جیسی نعمت سے مالامال ہوئے حتیٰ کہ ایک رمضان المبارک گذارنے کے لئے حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم کی خدمت اقدس میں سہارنپور حاضر ہوئے تو حضرت شیخ مدظلہ العالی نے موصوف کو مجاز بیعت بناکر خلافت سے سرفراز فرمایا۔ اس کے بعد حضرت شیخ مدظلہ العالی نے مدینہ طیبہ زادھا اللہ شرفاً وتعظیماً کے لئے ہجرت کا ارادہ فرمالیا۔ حرم محترم کی حاضری میں شمس العارفین وسراج السالکین سے اس قمر منیر نے کیا کچھ فیوض وبرکات حاصل کئے اس کے متعلق تو اہل نظر ہی بتا سکتے ہیں۔

؎ اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں   بلبل چہ گفت گل چہ شنید وصبا چہ کرد

رسالہ صقالۃ القلوب میں صوفی صاحب نے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی کا طریقہ تعلیم وتربیت سلاسل اربعہ (چشتیہ قادریہ نقشبندیہ سہروردیہ) کے معمول بہا اذکار کے طریقے۔ سلوک کے موانع

وموئیدات۔ عدم اخلاص و عدم احسان کی وجہ سے اعمال کے بے روح ہونے کا علاج نیز ذکر اللہ کی ضرورت واہمیت کو عمدہ اسلوب بیان ہمت افزا مضامین اور دلنشیں پیرایہ میں پیش کیا ہے جو انہیں کا حصہ ہے۔ رسالہ کے آخر میں حضرات علماء کرام کی خدمت میں اہم گذارش کرکے بتایا کہ یہ نسخہ کیمیا اثر کوئی نیا نہیں ہے قرآن وصاحب قرآن کا ہی ارشاد فرمودہ ہے۔ یعنی الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (الآیہ) اور صقالۃ القلوب ذکر اللہ (الحدیث)

موصوف نے سلوک وتصوف سے متعلق حضرت شیخ دامت برکاتہم کے علوم ومعارف ایسی عام فہم اور آسان زبان میں تحریر فرمائے ہیں کہ حضرت شیخ مدظلہ العالی کی سو فیصد ترجمانی جھلکتی ہے۔ حضرت شیخ دامت برکاتہم نے ان کی تحریروں کو صرف پسند ہی نہیں فرمایا بلکہ مسرت کا اظہار فرمایا اور دعوات سے نوازا اور فرمایا کہ یہ میری ہی کتب ہیں۔ بلکہ بعض رسالوں کی طباعت وغیرہ کا خرچ بھی اپنی طرف سے ادا فرمایا اور بعض کی خود ابتدا فرما کر موصوف کو تکمیل کے لئے ارشاد فرمایا۔ اس لئے اگر ان کو "لسان شیخ" کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

ذیل میں حضرت شیخ مدظلہ العالی کے چند ارشادات جو حضرت صوفی صاحب کے رسائل کے بارے میں ارشاد فرمائے ہیں بعینہ نقل کرکے اس مضمون کو ختم کرتے ہیں تاکہ ناظرین خود اندازہ فرمالیں کہ

——— آفتاب اور دلیل آفتاب

(۱) حضرت قطب الاقطاب اپنی کتاب فضائل تجارت میں　　　اس کو تصنیف فرمانے کی اہمیت بیان کرکے تحریر فرماتے ہیں کہ آج ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ شب چہارشنبہ مسجد نبوی میں اس کی بسم اللہ تو کرادی اور اپنے مخلص دوست صوفی اقبال صاحب جن کی کئی تصانیف میرے ہی کہنے سے لکھی جا چکی ہیں اور شائع ہو چکی ہیں ان سے درخواست کی ہے کہ اپنے پورا کرنے کی تو امید نہیں ہے وہ پورا کردیں۔ مگر چچا جان کی توجہ سے خود ہی لکھوا دیا۔

(۲) رسالہ اکابر کا تقویٰ میں رسالہ کی اہمیت تحریر فرما کر تحریر فرماتے ہیں کہ آج ۲۸ ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ مطابق ۳ جولائی ۱۹۸۹ء کو مسجد نبوی میں یہ سطور لکھوا کر صوفی صاحب کے حوالہ کرتا ہوں کہ آئندہ اس کی تکمیل وہ فرمائیں اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے کہ وہ بھی عرصہ سے بیماری میں میرے قریب قریب ہی چل رہے ہیں مگر چونکہ اس جذبہ میں بھی میرے ساتھ ہیں اس لئے ان کے سپرد کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان سے اس کی تکمیل کرائے اور ان کے لئے اس کو صدقہ جاریہ بنائے۔ فقط

(۳) رسالہ ابتدائی اذکار واشغال برائے متوسلین حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ بہت ہی مناسب ہے بہت ہی جی خوش ہوا۔ اللہ تعالیٰ دونوں (مرتب اور ناشر بھائی یحییٰ صاحب) کو اپنے فضل وکرم سے بہترین جزائے خیر عطا فرمائے میں نے خود بھی اس کو سُن لیا بہت مناسب ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ تمتع کی توفیق عطا فرمائے میں اپنے دوستوں کو خاص طور سے اس کتاب کو مطالعہ میں رکھنے کی تاکید کرتا ہوں اور جن لوگوں کو اس کتاب کے متعلق معلوم نہ ہو ان کو پتہ بتا دیا جائے۔ ۳۰ر دسمبر ۱۹۸۲ء

(۴) رسالہ محبت طبع اول کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ اس ناکارہ نے صوفی اقبال صاحب کا رسالہ سُنا ماشاء اللہ بہت اونچے مضامین کو بہت آسان طریقہ سے سمجھایا ہے۔

(۵) شجرہ نقشبندیہ مع طریقہ ذکر خفی بطریق تعلیم حضرت اقدس۔ اس رسالہ کے پہلے دو صفحے خود حضرت نے املاء کرا کر تکمیل کے لئے احقر کے سپرد کیا۔ حضرت نے سن کر اپنے خرچ سے چھپوایا۔ ختم ہونے پر دوبارہ چھپا۔

دیگر رسائل کے متعلق حضرت کی تصویب اور خود چھپوانا فہرست میں مختصر درج ہے۔ بعض کے متعلق حضرت اقدس کی تحریرات اور دیگر حضرات علماء کے خطوط احقر کے پاس محفوظ ہیں اور احباب کے نام بھی خطوط ہیں۔

نوٹ:۔ مندرجہ بالا تفصیل رسالہ مقالۃ القلوب کی وجہ سے تحریر کرنا پڑی کیونکہ اس میں ذکر کے طریقے لکھنے میں اختصار اور حضرت کی طرز کو اختیار کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو بعض حضرات

کے لئے نئی چیز ہوگی۔ حضرت کے متوسلین کے لئے حضرت کے اعتماد اور تصویب کی ضرورت ہے۔ طریقوں کے متعلق رسالہ نمبر ۲ اور ۳ میں حضرت کی تحریر کافی ہے۔ طریقوں میں اس قدر اختلاف ہے کہ ایک ہی سلسلہ کے مختلف مشائخ کے ہاں تھوڑا تھوڑا فرق ضرور ہے۔ بلکہ بعض اشغال اور طریقوں میں شدید اختلاف ہے۔ جو حقیقت اور ضرورت اور مصالح کی بناء پر باعث رحمت ہے۔

مرتب رسالہ ھذا کی وہ کتب جن کے مرتب کرنے اور طبع کرنے کے لئے حضرت اقدس شیخ دامت برکاتہم سے اجازت نہیں لی گئی تھی

نام رسائل	کیفیت
۱۔ عبرت آموز واقعات	— مرتب نے پاکستان میں پہلی بار خود طبع کرایا۔ بعد میں ہندو پاک میں مختلف اداروں نے کئی دفعہ طبع کیا۔
۲۔ مجالس حصہ اول یعنی محبوب العارفین	پہلی بار پاکستان میں باہتمام بھائی حافظ صغیر احمد صاحب مجاز حضرت شیخ نے بذریعہ ادارہ اسلامیات لاہور۔ طبع کرائی اور اخراجات بھی خود ہی کیئے۔ اب اس کا انگریزی گجراتی ترجمہ زیر طبع ہے۔
۳۔ مجالس حصہ دوم یعنی بہجۃ القلوب فی مبشرات النبی المحبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	پہلی بار لاہور میں باہتمام حافظ صغیر احمد صاحب نے بذریعہ ادارہ اسلامیات خود اخراجات کرکے طبع کرائی۔ بعد میں حضرت مولانا یوسف مجاز حضرت شیخ نے دار العلوم بری انگلینڈ سے دوبارہ طبع کرائی انگریزی زیر طبع ہے۔

فہرست مضامین

مرتب رسالہ ھذا کے وہ رسائل جو حضرت شیخ دام مجدھم کے حکم سے مرتب کئے گئے یا بعض کو حضرت نے سن کر پسند فرمایا اور طبع کروانے کا حکم دیا اور طباعت کے اخراجات کا کل یا جز خود اپنے پاس سے عطا فرمایا اور ان رسائل کو متعدد بار زبانی اور تحریری ارشاد فرمایا کہ یہ میری ہی کتب ہیں اور حضرت کی مجالس عام میں سُنائے گئے

۴۔ اکابر کا سلوک و احسان — پہلی بار مرتب نے پاکستان سے طبع کرایا پھر ہندوستان میں حضرت اقدس نے دوبارہ طبع کرایا۔

۵۔ اکابر کا تقویٰ — پہلی بار مرتب نے پاکستان میں طبع کرایا پھر پاک و ہند میں کئی دفعہ طبع ہوا کلی اخراجات حضرت نے عطا فرمائے۔

۶۔ ام الامراض طبع ثانی — پہلی بار مرتب نے پاکستان میں طبع کرایا پھر پاک و ہند میں کئی دفعہ طبع ہوا کلی اخراجات حضرت نے عطا فرمائے۔

۷۔ فیضِ شیخ — پہلی بار مرتب نے پاکستان میں طبع کرایا اخراجات کی زیادہ رقم حضرت نے عطا کی پھر ہندوستان میں اشاعت العلوم نے طبع کیا اور پاکستان میں بطور خود کئی دفعہ طبع ہونا معلوم ہوا۔

۸۔ شجرۂ نقشبندیہ مع طریقہ ذکر خفی — پہلی بار مرتب نے پاکستان میں طبع کرایا اخراجات حضرت نے دیئے پھر دوبارہ پاکستان میں بھائی عارفین نے سلاک پبلیکیشنز سے طبع کر کے حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت کے حکم سے مرتب کیا تھا۔

۹۔ آداب الحرمین — پاکستان میں مرتب نے طبع کرایا حضرت اقدس نے اخراجات میں مدد فرمائی۔

١٠۔ محبت طبع ثانی	پاکستان میں مرتب نے طبع کرایا حضرت کے مجاز مولانا یحیٰی مدنی نے کل اخراجات برداشت کیے۔
١١۔ ابتدائی اذکار واشغال	پاکستان میں مرتب نے طبع کرایا۔ حضرت کے مجاز مولانا یحیٰی مدنی نے کل اخراجات برداشت کئے (باجازت حضرت شیخ)
١٢۔ صقالۃ القلوب	پاکستان میں مرتب نے طبع کرایا حضرت اقدس نے خصوصی طور پہ مرتب کرنے کا امر فرمایا تھا۔ ایک مجاز نے اخراجات اپنے ذمہ لئے اور نام ظاہر کرنے کو منع کر دیا۔
١٣۔ نصیحت آموز خط	پاکستان میں احقر نے طبع کرایا۔ اس کو حضرت ہی نے مرتب کروایا اور مسودہ سن کر فوراً طبع کرانے کا حکم فرمایا اخراجات میں بطور برکت شرکت فرمائی دیگر اخراجات دوسرے احباب نے دیئے۔ طباعت کے بعد کچھ اشکالات کی بنا پر متعدد بار سُنا اور تقریری و تحریری پرزور تائید فرمائی اور خود تقسیم بھی کروایا اور ضمیمہ کا اضافہ کروایا جس میں ایک رویا صالحہ پر فرمایا کہ اس میں رسالہ کی پوری تائید ہو گئی۔
١٤۔ نصیحت آموز خط انگریزی	مدینہ منورہ میں حضرت کی اجازت سے انگریزی میں ترجمہ ہوا پاکستان میں چھپا۔
١٥۔ دعوت و تبلیغ میں ذکر کی اہمیت	افریقہ کے سفر میں حضرت نے مرتب کرنے کا حکم فرمایا معہد اسلامی افریقہ نے طبع کیا جو حضرت شیخ کے مجاز مولانا احمد میاں صاحب کے زیر اہتمام ہے۔

۱۶۔ تبلیغ میں اعتکاف کی اہمیت میں حضرت کا اہم مکتوب۔ — لندن کے سفر میں حضرت نے مرتب کرنے کا حکم فرمایا حضرت کے مجاز مولانا یوسف متالا نے طبع کیا۔

۱۷۔ تنقید حق تنقید — حضرت کے مجاز مولانا یوسف لدھیانوی کا مضمون ہے جس کو کچھ اضافہ کے ساتھ دوبارہ طبع کرانے کا حضرت نے حکم فرمایا۔ پاکستان میں حضرت کے اخراجات پر طبع ہوا۔

نمبر ۱۴، ۱۵، ۱۶ تینوں رسالے یکجا کئی جگہ زیر طبع ہیں۔

نفیس

سید انور حسین شاہ صاحب زید مجدکم العالی (یکے از مجازین حضرت شاہ عبدالقادر صاحب قدس سرہٗ العزیز) نفیس تخلص فرماتے ہیں اور چونکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نفیس کے نام سے ہی ان کو یاد فرمایا کرتے تھے اس لئے شاہ صاحب بس صرف نفیس لکھنا ہی پسند فرماتے ہیں اور سچ پوچھئے تو جو حضرات شاہ صاحب کی شخصیت سے متعارف ہیں ان کو نفیس کہنے میں پڑھنے میں سننے میں جو لذت آتی ہے اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ فقط عبدالغنی

رسالہ کے خصوصی مضامین

(۱) حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب کا طریقہ تعلیم و تربیت
(۲) حضرت کے ابتدائی معمولات کا مقصد و موضوع۔ نسبت باطن اور صاحب نسبت کا حال
(۳) صوفیاء کرام کے طریقہ پر اذکار میں قیود کی شرعی حیثیت اور ان کے اثرات
(۴) سلاسل کے اذکار کے طریقے مع ان اذکار کے فضائل اور شوق و ہمت افزا مضامین
(۵) اذکار و اشغال اختیار کرنے کے باوجود بعض طالبین کی ناکامی کے اسباب
(۶) سلوک کے موانع۔ موئیدات و متعلقہ فوائد
(۷) حضرات علماء کرام کی خدمت میں اہم گذارش اور مدارس دینیہ میں بیعت و ذکر کے سلسلے قائم کرنا
(۸) حالات دار العلوم بری انگلینڈ

مقدمہ

رسالہ مرتب کرنے کے حکم کی تفصیل میں

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد سیدی ومرشدی قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم کے قطب الاقطاب کے مقام پر فائز ہونے کی متعدد بشارتیں مل چکی تھیں اور ظاہر میں بھی علماء و مشائخ کا حضرت کے متعلق یہی خیال اور یہی معاملہ رہا ہے۔ پھر گزشتہ سال مدینہ منورہ میں روضہ اقدس پر ایک بزرگ کو مکاشفہ میں خود سید الکونین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت کے قطب الاقطاب ہونے کا ارشاد فرمایا۔ لیکن اس سب سے اہم خود حضرت اقدس کا رویائے صالحہ ہے جس میں حضرت کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں حاضری ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت کے قطب الاقطاب بنا دینے کی بشارت سُنی اور اس بشارت کو دوسروں پر ظاہر کر دینے کا حکم بھی ہوا۔ مکمل خواب بہجۃ القلوب فی مبشرات النبی المحبوب طبع ثانی میں درج ہے۔

یہ بشارت مورخہ ۹ شعبان ۱۴۰۱ھ بروز جمعرات مطابق ۱۱ جون ۱۹۸۱ء کو ہوئی جب کہ حضرت اقدس نے اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے مراکز ذکر اللہ کے قیام اور مخلوق کو خالق سے ملانے کے لئے باشارہ غیبی براعظم افریقہ اور یورپ کا سفر شروع فرمایا جس کی پہلی منزل مدینہ منورہ سے چل کر مکہ مکرمہ میں ہوئی وہاں دس روز قیام رہا اسی قیام میں یہ بشارت ملی۔

اس سفر میں حضرت کے اس مقام رفیع کے اثرات دنیا نے دیکھے کہ ہر ہر جگہ بے شمار تعداد میں مخلوق خدا حضرت سے فیض یاب ہونے کے لئے اُمڈ رہی تھی

میں بھی اس پر مرمٹا ناصح تو کیا بے جا کیا ، اک مجھے سودا تھا پر دنیا تو سودائی نہ تھی

گو حضرت اقدس کی ذات جامع شریعت و طریقت ہے لیکن اس وقت غیر معمولی رجوع عام کسی علمی استفادہ کی خاطر نہیں ہے بلکہ تعلق باللہ (جس کے کمال کو نسبت احسان کہا جاتا ہے) کا حصول ہی مقصد ہے جس کے متعلق قطب العالم حضرت گنگوہیؒ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں

کہ بعثت فخر رسل صلی اللہ علیہ وسلم اسی کے واسطے تھی۔ اور جملہ صحابہ اس نسبت احسان کے حامل تھے علیٰ حسب مراتبہم پھر اولیاء اللہ نے اس کو دوسرے طریقہ سے پیدا کیا ۱۲ (مکاتیب رشیدیہ ملخصاً) اس نسبت کو اولیاء اللہ کا دوسرے طریقوں سے پیدا کرنے کی وجوہات اور اس کی تفصیل انشاء اللہ اس رسالہ میں اپنی جگہ بیان ہوگی۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ تفہیمات الٰہیہ میں فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس چیز کی طرف دعوت دی ان میں سب سے مہتم بالشان تین امور ہیں۔ (۱) تصحیح عقائد جس کا ذمہ علماء امت کے اہل اصول نے اٹھایا۔ (۲) دوسری چیز اعمال کا صحیح طور پر ادا کرنا اس فن کو امت کے فقہاء نے اپنے ذمہ لیا۔ تیسری چیز احسان ہے جس کے متعلق شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ تصحیح اخلاص و احسان کو جو اس دین کی اصل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پسند کیا۔ اخلاص کی آیات و احادیث لکھنے کے بعد فرماتے ہیں۔ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ تیسرا جزو شریعت کے مقاصد کا سب سے دقیق فن ہے اور بہت گہرا ہے جملہ شرائع کے مقابلہ میں جو بمنزلہ روح کے ہے بدن کے مقابلہ میں۔ اس فن کا تکفل صوفیاء نے کیا ہے انہوں نے خود ہدایت پائی اور دوسروں کو ہدایت فرمائی اور انتہائی سعادت کے ساتھ کامیاب ہوئے۔

آج کل حضرت اقدس کی خصوصی توجہ شریعت کے اس جزو کے فروغ کی طرف ہے اور حضرت کے عالی مقام کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ ایسے کام کی طرف متوجہ ہوں جو سارے ہی کاموں کی روح ہو۔ خصوصاً جب کہ عام طور پر اس اہم شعبہ کو نظر انداز بھی کیا جا رہا ہو۔

اس مبارک شعبے کا تعلق ذکر شغل سے ہے اور مشائخ کے یہاں ذکر کے مختلف طریقے ہیں اور ان کے کئی سلسلے ہیں جو فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہیں۔ ان سلسلوں میں چار کو زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی جیسا کہ فقہ میں مذہب اربعہ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی رائج ہوئے۔

اسی طرح ذکر شغل کی لائن میں سلاسل اربعہ نقشبندیہ، سہروردیہ، قادریہ اور چشتیہ مشہور ہوئے۔

حضرت کے اس مبارک سفر میں ہر جگہ مختلف طبائع، مختلف مکاتیب فکر مختلف مذاہب حتیٰ کہ

مختلف سلاسل طریقہ کے خوش قسمت حضرات بے شمار تعداد میں حضرت کے حلقہ بگوش ہوئے۔ حضرت اقدس کو اپنے مشائخ سے سلاسل اربعہ میں اجازت وخلافت حاصل ہے اس لئے حضرت چاروں سلسلوں ہی میں بیعت فرماتے ہیں۔ تاکہ تمام سلاسل کے مشائخ سے رابطہ ہو کر سب کے فیوض وبرکات حاصل ہوں اور کسی بھی بزرگ سے بے تعلقی نہ رہے لیکن اذکار واشغال عموماً چشتیہ طریق پر تعلیم فرماتے ہیں اور اگر کسی طالب کا سابقہ ذاتی یا خاندانی تعلق کسی دوسرے سلسلہ سے رہا ہو اور وہ اُس سلسلہ کے اذکار شروع کر چکا ہو۔ لیکن تکمیل سے پہلے اس کو تجدید بیعت کی ضرورت پیش آ جائے۔ مثلاً پہلے شیخ کا وصال ہو گیا ہو یا کسی اور معقول وجہ سے سلسلہ منقطع ہو گیا ہو تو حضرت اقدس اس کے اختیار کردہ معمولات کو نہیں بدلتے بلکہ اسی ذکر کو باقی رکھتے ہوئے ضرورت ہو تو اس میں اضافہ فرما دیتے ہیں تاکہ دوام کی حاصل شدہ برکت اور اثر ضائع نہ ہو۔ اس طرز میں طالب کے لئے سہولت بھی ہے کہ سابقہ ذکر سے مناسبت ہو چکی ہوتی ہے اُسی سلسلہ میں آگے چلنا آسان ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض طالبوں کو شروع ہی میں حسب مناسبت ومصلحت چشتیہ اذکار کے ساتھ یا ان کی بجائے دوسرے سلسلہ کے اذکار تعلیم فرما دیتے ہیں۔ مثلاً ذکر جہری کرانے میں کوئی مانع ہو تو ذکر خفی تعلیم فرما دیا جو کہ زیادہ تر سلسلہ نقشبندیہ کے اذکار میں سے ہوتا ہے۔

چونکہ حضرت اقدس کے سلسلہ عالیہ خلیلیہ کی وسعت عالمی ہو گئی ہے اس لئے طالبین کو ذکر کی تلقین اور ان کی تربیت بلکہ بیعت کا سلسلہ بھی حضرت اقدس کے خلفاء ہی کے واسطے سے ممکن ہے۔ ان خلفاء کو بھی اپنے معمول بہا طریقہ ذکر کے علاوہ کبھی کبھی تغیر وتبدل کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس لئے حضرت اقدس نے احقر کو حکم فرمایا کہ چاروں سلسلوں کے ابتدائی اور مختصر اذکار واشغال جمع کر کے پیش کرو تاکہ وہ مجموعہ حضرت کی نظر سے گذر کر تعلیم کنندگان کے لئے بطور نمونہ ہو جائے اور وہ حضرات بوقت ضرورت اس کو کام میں لائیں۔ احقر نے اس رسالہ کی ابتداء سفر ہی میں کر دی تھی اور اب مدینہ پاک کے قیام میں تکمیل کی،

سلاسل کے مکمل اذکار واشغال توضیح القلوب اور صراط مستقیم وغیرہ اکابر کی کتب میں ملیں گے۔ یہاں

صرف ابتدائی، آسان اور مختصر اُن اشغال کا انتخاب کیا ہے جو آج کل عمومی ضعف اور کم ہمتی کے دور میں تعلیم کرنے مناسب ہیں۔

یہ رسالہ ان شاء اللہ مندرجہ ذیل ابواب وفصول پر مشتمل ہوگا۔

باب اول فصل نمبر۱ اوراد مسنونہ اور وظائف کے ابتدائی معمولات جن سے ابتدا کرائی جاتی ہے ان کا موضوع۔

فصل نمبر۲ نسبت اور صاحب نسبت کا حال۔

فصل نمبر۳ حصول نسبت کے لئے سلوک کے اذکار اختیار کرنے کی وجوہات، اذکار میں قیود وشرائط بڑھانے کی وجہ اور ان قیود کی شرعی حیثیت، ذکر تقلیدی اور شیخ کے تلقین شدہ ذکر کا فرق۔

فصل نمبر۴ حصول مقصد میں ان اذکار کے مؤثر ہونے کی توضیح۔

فصل نمبر۵۔ سلوک کے اذکار کے مختلف طرق ہو جانے کی وجہ۔

فصل نمبر۶ حضرت اقدس کا معمول بہا طریقہ تعلیم وتربیت۔

باب دوم فصل نمبر۱ ابتدائی اذکار واشغال سلسلہ عالیہ چشتیہ۔

فصل نمبر۲ " " " " نقشبندیہ۔

فصل نمبر۳ " " " " قادریہ۔

فصل نمبر۴ " " " " سہروردیہ

باب سوم فصل نمبر۱ سلوک کے اذکار واشغال اختیار کرنے کے باوجود بعض طالبین کے ناکام ہونے کی وجوہات۔

فصل نمبر۲ موانع سلوک، و مؤیدات سلوک اور نصائح سلوک برائے ذاکرین۔

خاتمہ:۔ حضرات علماء کرام کی خدمت میں عاجزانہ اہم درخواست مدارس دینیہ میں بیعت وذکر کے سلسلے قائم کرنا۔

فہرست مضامین

باب اوّل

فصل نمبر ۱ — ابتدائی معمولات

حضرت اقدس کا معمول ہے کہ بیعت کرتے وقت سلوک کے اذکار میں سے کچھ تلقین نہیں فرماتے بلکہ عمومی لیکن ضروری دینی اصلاح و ترقی کے لئے کچھ اوراد و وظائف اور کچھ ضروری ہدایات تعلیم فرماتے ہیں جو ابتدائی معمولات کے نام سے چھپے ہوئے ہیں جن کے پندرہ نمبر ہیں۔

یہ تعلیم سلاسل اربعہ میں سے کسی خاص سلسلہ کی مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ معمولات دینی ترقی کے راستے کا ابتدائی اور ہمیشہ کے لئے لازمی کورس ہے۔ عقائد کی صحت کے بعد ان کی پابندی سے عقائد کی پختگی، عبادت اور یاد الٰہی کا کچھ ذوق و شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ ضروری درجہ کی عملی و اخلاقی اصلاح ہو جاتی ہے۔ حقوق العباد اور صفائی معاملات کا فکر پیدا ہو جاتا ہے۔ بُرے اعمال سے نفرت اور اچھے اعمال کی رغبت ہو جاتی ہے۔ اکثر طالبین بزرگوں سے اتنے ہی مقصد کے لئے بیعت ہوا کرتے ہیں اور اِس درجہ والوں کو صالحین اور اصحاب یمین کہا جاتا ہے۔

ان معمولات کی پابندی کے بعد مزید شوق و توفیق والوں میں اُن سلوک کے اذکار و اشغال شروع کرنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے جن سے خصوصی تعلق باللہ اور نسبتِ احسان حاصل ہوتی ہے۔

ابتدائی معمولات میں جو ہدایات آداب شرع کی رعایت اور اتباع سنت میں ہیں ان کے بغیر سلوک میں قدم رکھنا کچھ مفید نہیں کہ سلوک کے اذکار اپنا اثر تو ہر حال میں کرتے ہیں ان سے احوال اور عشقی کیفیات پیدا ہوتی ہیں لیکن قبولیت اور نسبت کا حصول بغیر آداب کے نہیں ہوتا۔

نوٹ:۔ رسالہ محبت میں معمولات کے پرچہ کو ذرا تفصیل سے لکھا گیا ہے وہاں بھی دیکھ لیا جاوے۔

فصل نمبر۲ نسبت کی حقیقت اور صاحب نسبت کا حال

نسبت کی حقیقت کے متعلق حضرت حکیم الامت تھانوی قدس اللہ سرہ کا ایک ارشاد عام فہم ہے۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ نسبت کے لغوی معنی ہیں لگاؤ اور تعلق کے۔ اور اصلاحی معنی ہیں بندہ کا حق تعالٰے سے خاص تعلق یعنی (اخلاص کے ساتھ) اطاعت دائمہ۔ ذکر غالب اور حق تعالٰے کا بندہ سے خاص قسم کا تعلق یعنی قبول و رضا۔ جیسا عاشق و مطیع اور باوفا معشوق میں ہوتا ہے اور صاحب نسبت ہونے کی یہ علامت تحریر فرمائی کہ اس شخص کی صحبت میں رغبت الی الآخرۃ اور نفرت عن الدنیا کا اثر ہو اور اس کی طرف دینداروں کی زیادہ توجہ ہو اور دنیا داروں کی کم۔ مگر یہ پہچان خصوصاً اس کا جزو اول عوام میں مجوبین کو کم ہوتی ہے۔ اہل طریقت کو زیادہ۔

جب نسبت کے معنی معلوم ہو گئے تو ظاہر ہو گیا کہ فاسق و کافر صاحب نسبت نہیں ہو سکتا۔ بعضے لوگ غلطی سے نسبت کے معنی خاص خاص کیفیات کو (جو ثمرہ ہوتا ہے ریاضت و مجاہدہ کا) سمجھتے ہیں۔ یہ کیفیات ہر مرتاض میں ہو سکتی ہیں مگر یہ اصطلاح جہلا کی ہے (انفاس عیسٰی)

اس سے معلوم ہوا کہ نسبت ایک خاص نوع کے تعلق کا نام ہے جس قدر تعلق قوی ہو گا۔ اسی قدر نسبت بھی قوی ہو گی عمومی تعلق تو ہر مسلمان کو اللہ جل شانہ سے ہے لیکن یہ نسبت خاص قسم کی محبت اور خصوصی تعلق کا ثمرہ ہوتا ہے جس کے بغیر اعمال میں پورا اخلاص نہیں حاصل ہوتا بڑے بڑے اعمال بے روح اور بے قیمت ہوتے ہیں کیونکہ ان میں کبھی جلی اور کبھی خفی طور پر نفس کی آمیزش ہو جاتی ہے اور جیسا کہ محبت کے مراتب اور عشق کے درجات ہوتے ہیں ایسے ہی اس نسبت کے درجات بھی بہایت متفاوت اور کم و بیش ہوتے رہتے ہیں۔ جس کا منتہا تو دریائے عشق میں ڈوب جانا ہے ؎

عبث ہے جستجو بحر محبت کے کنارے کی
بس اس میں ڈوب ہی جانا ہے اے دل پار ہو جانا

اسی طرح اس نسبت کے الوان اور انواع بھی بہت مختلف ہوتے ہیں کہ کسی کی نسبت میں محبت

و شوق اور وجد کا غلبہ ہوتا ہے کسی میں خوف کا کسی میں سکینہ اور عبدیت کا کسی میں مشاہدہ کا غرض مختلف رنگ ہوتے ہیں۔ ؎ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

صاحبِ نسبت کا حال

نسبت یا اللہ تعالیٰ سے خصوصی عشقی تعلق صاحب نسبت میں ایک پوشیدہ امر ہے گویا ایک ملکہ ہے جو شرعی احکام پر عمل کے وقت وہ فعل کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے جس سے وہ عمل سراسر مغز کے درجہ میں ہو جاتا ہے۔ چنانچہ **یطعمون الطعام علی حبه** اور **یریدون وجهه** اس کی طرف اشارہ ہے اور اس کیفیت یا اس ملکہ کے بغیر اعمال بے روح بے مغز محض چھلکے کی طرح ہوتے ہیں مثلاً کسی نے محنت کر کے خطاطی سیکھلی ہو تو خوشخط لکھنے کا ملکہ اس کے نفس میں پوشیدہ رہتا ہے اور جب کبھی بھی وہ کچھ لکھتا ہے تو وہ ملکہ اس کے لکھنے کے فعل میں بلا تکلف شامل ہو جاتا ہے اور اُس کا لکھا ہوا بہت خوش خط ہوتا ہے اور جس کو یہ ملکہ حاصل نہیں وہ لاکھ کوشش کر کے اور بہت وقت لگا کر کچھ لکھے گا تب بھی خطاط کے سرسری لکھے ہونے کے برابر نہیں ہو سکتا بلکہ بہت بدنما ہو گا۔

نسبت کے اصطلاحی لفظ کی بجائے۔ اس کو دوام کیفیتِ احسان و اخلاص بھی کہہ سکتے ہیں اور اس کو یقین بھی کہتے ہیں یہی بات اور ملکہ صحابہ کرام کو بدرجۂ اتم حاصل تھا جو ان کے ہر عمل میں شامل رہتا تھا۔ جس کی وجہ سے حدیثِ پاک میں ان کا ایک مُد خرچ کرنا دوسروں کے سونے کا پہاڑ خرچ کرنے سے زیادہ قرار دیا گیا۔ اسی کیفیت و حالتِ ذکر کی وجہ سے اُن پر حُبِ اللہ کا غلبہ تھا کہ جان و مال کو اس کے مقابلہ میں کچھ اصل نہ جانتے تھے ہزار جان اور ہزار دنیا کے عوض رضاء نائب الٰہی صلی اللہ علیہ وسلم کو مقدم جانتے تھے اور اس حالت کے عطیہ کو کونین سے بہتر سمجھتے تھے۔ طمع جنت و خوف نار اور غضب الٰہی سے بچنا ان کا شعار تھا۔ غیب پر ایسا یقین ہو گیا تھا کہ دنیا کا فانی ہونا اور آخرت کا باقی رہنا اپنا لاشی ہونا، حق تعالیٰ کا کارساز ہونا کا مشاہدہ ہو گیا تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنا تمام خاندان اور آبرو و جان بغیر کچھ دیکھے قربان کر دیا۔

اولیاء اللہ کی بزرگی کی وجہ بھی یہی امر یعنی قوت نسبت ہی ہے اس کی وجہ سے ان کی عبادت کا درجہ عامی کی عبادت سے لاکھوں گنا زیادہ ہوتا ہے۔ صاحب نسبت کی یہ کیفیت اخلاص عبادات کے علاوہ اس کے تمام افعال اور ہر حرکت و سکون میں شامل ہوتی ہے اس لئے وہ ہر لمحہ بہت تیزی سے ترقی کرتا رہتا ہے

سیر زاہد ہر شے یک روزہ راہ　　　　سیر عارف ہر دمے تا تخت شاہ

صاحب نسبت بجا آوری احکام میں اِس امر کی وجہ سے بہت چستی اور عزیمت دکھلاتا ہے۔ وہ مستحب کو اپنے محبوب کی پسند خیال کر کے اس پر جان لڑا دیتا ہے۔ علمائے ظاہر کو اس کامل کے زہد و تقویٰ کے حالات سے حیرت ہوتی ہے کہ شرعی رخصت کے باوجود اتنا اہتمام کیوں کیا جاتا ہے اور کبھی دوسرا صاحب نسبت اختلاف ذوق کی بناء پر رخصت پر عمل کرنے میں محبوب کی رضا کا احساس کر کے رخصت پر بھی اس اندرونی جذبے سے عمل کرتا ہے اس کو دیکھ کر بھی علمائے ظاہر حیران ہوتے ہیں کہ اتنے بڑے بزرگ ہو کر مستحب کو چھوڑتے ہیں۔ غرضیکہ صاحب نسبت کبھی عزیمت کو پیش نظر رکھ کر اپنے محبوب حقیقی کے حضور میں عبودیت دکھلاتا ہے اور کبھی رخصت کو پیش نظر رکھ کر اپنی عبدیت کا مظاہرہ کرتا ہے اس طرح وہ دونوں حالتوں میں برابر کی رضا و ترقی حاصل کرتا ہے۔

صاحب نسبت کو دنیا میں جنت کا مزا

صاحب نسبت کی علامت اور تعریف میں گذر چکا کہ اس کو دوام ذکر حاصل ہوتا ہے اسی دوام میں رسوخ ہو کر ذکر اللہ اس کی صفت لازمہ بن جاتی ہے اور اس کو محبوب کی معیت و حضوری حاصل ہو جاتی ہے اور قرآن پاک میں فاذکرونی اذکرکم کا وعدہ ہے یعنی ارشاد ہے کہ جب تم مجھے یاد کرو گے تو میں تمہیں یاد کروں گا اس لئے جب بندہ کو ہر وقت مولا کریم کی یاد رہے گی تو وہ کریم آقا بھی ہر وقت اسکو اپنی خصوصی رحمت اور اپنے فضل و عطا سے یاد فرماتے رہیں گے۔ اللہ رب العزت کی اس توجہ سے بندہ کو سکون قلب، محبوبیت عامہ اور حیوٰۃ طیبہ حاصل ہو جائے گی۔

قلبی طور پر محبوب کی حضوری ہی دنیا میں جنت کا مزا حاصل ہونا ہے۔ جیسا کہ آخرت کی جنت میں سب سے بڑی لذت اور بڑی نعمت دیدار الٰہی ہے جو وہاں ان ظاہری آنکھوں سے بھی ہوگا۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے دنیا میں حضوری کی حالت کو جتنا حاصل کر لیا جاوے گا آخرت میں اس قدر دیدار الٰہی نصیب ہوگا۔

حضوری کی یہ خاص لذت وکیفیت ہر وقت نہیں رہتی کسی کو لمحہ دو لمحہ اور کسی کو زیادہ۔ اگر ہر وقت رہا کرے تو آدمی مجذوب ہو جائے اور اس حالت میں اعمال نہ کر سکنے کی وجہ سے ترقی رک جائے۔ اس لئے ہر وقت حضوری کی کیفیت کا احساس نہیں ہوتا مگر ذکر اللہ کو جب دوام حاصل ہو جاتا ہے اور وہ دل میں پیوست ہو جاتا ہے تو وہ کبھی جدا نہیں ہوتا مگر ذکر کے دل میں قائم ہو جانے کا امتحان اور اس پر التفات اس وقت ہوتا ہے جب کوئی امر بشریت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی یاد کے تقاضہ کے خلاف پیش آجائے یعنی کسی وقتی غلبہ یا غلطی سے کوئی بات خلاف رضا ہو جائے تو صاحب نسبت بہت جلد متنبہ ہو جاتا ہے پریشان ہو کر فوراً توبہ و تدارک کرتا ہے اس پر ندامت طاری ہو جاتی ہے اس طرح سے اس کی وہ نازیبا حرکت بھی اس کی ترقی کا سبب بن جاتی ہے۔

الحاصل حصول نسبت بہت بڑی سعادت ہے یہی وہ دولت ہے کہ جس کے لئے آستانے ڈھونڈے جاتے ہیں اسی کے لئے بڑے بڑے علمائے کرام پیران عظام کی جوتیاں سیدھی کرتے آئے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ ایک پوشیدہ کمال ہے اور اس کو حاصل کرنے کے لئے اپنی شان کو مٹانا پڑتا ہے جو کہ نفس پر بہت گراں ہوتا ہے اس کے برعکس دوسرے جانی اور مالی بڑے بڑے اعمال میں ظاہری شان و شوکت ہے ان کی بجا آوری میں عزت و شہرت ہے اس لئے نفس انہیں کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ جو کہ دھوکہ میں پڑے رہنے کی بات ہے خصوصاً صاحب علم حضرات کا اس طرح دھوکہ میں پڑے رہنا بہت افسوس اور ان کے جہل مرکب کی علامت ہے۔ ان کو چاہیئے کہ جھوٹے وقار کو چھوڑ کر اس کمال کو حاصل کر کے سچی عزت و سعادت حاصل کریں۔ امام غزالیؒ اور علامہ خالد کردیؒ دمشقی کے حالات کا مطالعہ اس سلسلہ میں بہت مفید ہوگا کہ کس طرح انہوں نے اپنی شہرت اور

شان و شوکت کو چھوڑ کر چلہ کشی اختیار کی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو کیسا نوازا۔ جیسے کہ کوئی بڑے علوم کا ماہر ہو لیکن خوشخط لکھنا نہ سیکھا ہو تو وہ ساری عمر بدخط ہی رہے گا اگر کبھی اپنی اس کمی کو پورا کرنا چاہے گا تو اس کو بچوں والی تختی پر لکیریں کھینچ کر اب ج لکھنے کی مشق کرنا پڑے گی اور استاد سے اصلاح لینا ہوگی اسی طرح حصول نسبت کے لئے کسی شیخ کی غلامی میں آکر ان سے ذکر سیکھنا پڑے گا۔ جس کا بیان اگلی فصل میں آرہا ہے۔

فصل نمبر ۳ حصول نسبت کیلئے اشغال واذکار اختیار کرنے کی وجوہات

(تحصیل نسبت اور مامور من اللہ ہونا)

نسبت کی اہمیت اور اہل نسبت کا حال گذشتہ فصل میں بیان ہوا اب اس کے اور اذکار کے مامور و مطلوب شرعی ہونے کو بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ اپنے ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں کہ تحصیل نسبت اور توجہ الی اللہ مامور من اللہ ہے اگرچہ یہ کلی مشکک ہے کہ ادنیٰ اس کا فرض اور اعلےٰ اس کا مندوب ہے اور صدہا آیات و احادیث میں مامور ہونا اس کا ثابت ہے اور طرح طرح کے طرق و اوضاع سے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بلکہ حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے گویا ساری شریعت اجمالاً وہی ہے کہ جس کا بسط بوجہ طول ناممکن ہے۔ اگر آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ ہر آیت و ہر حدیث سے وہی ثابت ہے۔ اس کی تحصیل کے واسطے جو طریقہ مشخص کیا جاوے گا وہ بھی مامور بہ ہوگا اور ہر زمانہ میں اور ہر وقت میں بعض مؤکد اور بعض غیر مؤکد ۱۲ (یہ مکتوب گرامی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے نام ہے اس لئے مجمل ہے۔)

عہد رسالت میں حصول نسبت

مشائخ متقدمین اور متاخرین کی کتابوں میں کثرت سے ہے کہ جب آفتاب رسالت طلوع کیئے ہوئے تھا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت ہی مرتبہ احسان تک پہنچانے کے لئے بالکل کافی تھی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قوت روحانی کی یہ حالت تھی کہ بڑے سے بڑے کافر کو

لا الہ الا اللہ کہتے ہیں مرتبہ احسان حاصل ہو جاتا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ کی تاثیر سے دل کے غبار چھٹ جاتے تھے پھر بقا اور قوت نسبت کے لئے صوم وصلوٰۃ، تلاوتِ قرآن، تبلیغ وجہاد اور اذکار مذکورہ فی الحدیث ہی کافی تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد حصول نسبت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد یہی قوت روحانی بفیض نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی تھی مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کم تھی اس کا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے خود اعتراف کیا ہے چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول مشکوٰۃ ص۵۴۷ میں بروایت ترمذی نقل کیا ہے کہ جس روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ علی منورہا الف الف صلوٰۃ واسلام میں تشریف لائے تو مدینہ کی ہر چیز روشن ہو گئی تھی اور جس دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا ہر چیز پر اندھیرا چھا گیا اور ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد قبر اطہر پر مٹی ڈال کر ہاتھ بھی نہیں جھاڑے تھے کہ ہم نے اپنے قلوب کی نورانیت میں فرق پایا۔ یعنی ہمارے قلوب میں وہ صفائی اور نورانیت نہیں رہی جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشاہدہ کے وقت محسوس ہوتی تھی ۱۲ (شریعت وطریقت)

اس کے بعد تابعین میں یہ قوت روحانی اور تاثیر صحبت میں اور کمی آئی۔ اس کے بعد تبع تابعین میں یہ قوت بہت ہی کم ہو گئی۔ چنانچہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جوں جوں زمانہ گذرتا گیا اور نورانیت سے بُعد ہوتا گیا۔ ظلمات کا اثر قلوب میں آتا رہا۔ حتیٰ کہ صحبتوں کے کمزور ہو جانے اور قلوب میں ظلمات کے بڑھ جانے سے توجہ الی اللہ اور نسبت احسانی کا فقدان محسوس ہونے لگا حالانکہ صوم وصلوٰۃ اور دعوت وتبلیغ وغیرہ سب اعمال ہو رہے تھے۔ اس لئے اُس وقت کے خواص بزرگ اور مشائخ اس کمی کو پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوئے انہوں نے اول قرآن وحدیث کی روشنی میں پھر الہام اور نور فراست اور تجربات سے کچھ تدابیر اختیار کیں یعنی قلوب کی صفائی کے لئے کچھ مجاہدات

مقرر کیے اور اذکار میں کچھ قیود اور شرائط لگادیں تاکہ زیادہ اثر ہو۔ جیسا کہ صحابہ کرام کو قرآن و حدیث کے سمجھنے کے لئے قواعد صرف و نحو جاننے کی ضرورت نہ تھی لیکن اہل عجم اور آج کل کے عرب حضرات کو بھی قرآن کے فہم کے لئے صرف و نحو سیکھنے کی ضرورت پڑ گئی۔

علماء نے اس کی عام فہم مثال لکھی ہے کہ اگر کسی کتاب کا پڑھنا مطلوب ہو تو جب تک آفتاب نکلا ہوا ہے آدمی بلا تکلف کتاب پڑھ سکتا ہے اور جب آفتاب غروب ہو جائے تو پڑھنے کے لئے چراغ وغیرہ روشن کرنا پڑے گا اور جب نظر بھی کمزور ہو جائے تو عینک بھی لگانا پڑے گی۔

اسی طرح صحابہ کرام کے وقت آفتاب رسالت طلوع کئے ہوئے تھا تو نسبت احسان یا حضور مع اللہ حاصل کرنے کے لئے کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن جب وہ آفتاب عالمتاب غروب ہوا تو غروب کے بعد بھی کچھ روشنی کچھ دیر کے لئے باقی رہی پھر جب وہ بھی نہ رہی تو حصول مطلوب کے لئے دوسری تدابیر اختیار کرنا پڑیں۔

مامور بہ کے حصول کے لئے نئی نئی تدابیر اختیار کرنے کے ضروری ہونے میں ایک مثال جہاد کی ہے کہ طبقہ اولیٰ میں اس کے لئے تیر نیزہ اور تلوار بلکہ پتھر بھی کافی تھا۔ مگر اب ان پر اکتفا کرنا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے بلکہ بندوق توپ ٹینک اور ایٹمی آلات تک کی تیاری ضروری ہوگی جو سب بعد کی ایجادیں ہیں صحابہ کرام میں ان چیزوں کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ جہاد کے لئے ان آلات کو استعمال کرنے پر یہ سوال کہ یہ قرآن حدیث سے کہاں ثابت ہے اور یہ کہنا کہ صحابہ کرام اس طریقہ سے جہاد نہیں کرتے تھے حماقت نہیں تو اور کیا ہے جو لوگ کسی مامور بہ کے حصول کے لئے کسی جائز تدبیر کو صرف اس لئے بدعت کہہ دیتے ہیں کہ اس کا رواج صحابہ کرام کے دور میں نہیں تھا وہ بدعت کی تعریف سے واقف نہیں ہیں۔ بدعت احداث فی الدین کا نام ہے، احداث للدین کا نام نہیں جو لوگ ان دونوں میں فرق نہیں کر سکتے وہ دین سے ناواقف ہیں کہ احداث للدین بسا اوقات ضروری بلکہ واجب تک ہو جاتا ہے جیسا کہ جہاد میں آج کل جدید آلات کا استعمال ضروری ہو گیا اسی طرح شریعت میں نسبت احسان کا حصول جس قدر اہم یا شان ہے اس کے لئے جو بھی جائز تدبیر اختیار کی جائے وہ موجب ثواب اور ضروری ہے نہ کہ بدعت۔ (ماخوذ از شریعت و طریقت)

اس تفصیل کے بعد اس بات کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ صوفیاء کی اختیار کردہ تدابیر کا ثبوت قرآن و حدیث میں بھی ہونا ضروری ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ مشائخ عظام اور اطباء روحانی کو اپنی شایان شان جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے اکثر وہی تدابیر اختیار کی ہیں جن کی اصل اور اُن کا ماخذ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ صوفیاء کے مجاہدات و ریاضات اور اذکار و اشغال کا قرآن و حدیث سے ماخوذ ہونا حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ کی تصنیف التکشف فی مہمات التصوف اور حضرت شیخ زید مجدہم کی تصنیف شریعت و طریقت کا تلازم میں ملاحظہ کریں۔ حضرت مولانا عبدالحئی صاحبؒ کا ایک رسالہ سباحۃ الفکر جس میں تقریباً پچاس حدیثیں ایسی ذکر فرمائی ہیں۔ جن میں ذکر جہری کا ثبوت ہے۔ ہم کو اس رسالہ میں سلوک کے دو بنیادی اصول صحبت اور ذکر کے صرف طریقے اور اُن کے اثرات بیان کرتے ہیں۔

نسبت احسان اور توجہ الی اللہ پیدا کرنے میں کثرت ذکر اللہ کو جو دخل ہے اس کے عقلی دلائل اور تجربہ کو بیان کرنے سے پہلے خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت حنظلہؓ کی روایت ہے کہ میں گھر سے نکلا تو حضرت ابوبکرؓ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے پوچھا کہ حنظلہ کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حنظلہ تو منافق ہوگیا۔ کہنے لگے سبحان اللہ کیا کہہ رہے ہو! میں نے کہا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں ہوتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوزخ و جنت کا ذکر کرتے ہیں تو وہ دونوں چیزیں گویا ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتی ہیں لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے نکلتے ہیں اور بیوی بچوں، کاروبار میں گھل مِل جاتے ہیں تو بہت سی باتیں بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے سن کر فرمایا کہ خدا کی قسم یہ حالت تو میری بھی ہے۔ تو میں اور حضرت ابوبکرؓ دونوں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ حنظلہ تو منافق ہوگیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کیا کہا۔ تو میں نے اوپر والی ساری بات دہرائی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم ہر وقت اس حال پر رہو جس حال میں میرے پاس ہوتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہو تو ملائکہ تم سے تمہارے بستروں پر اور تمہارے راستوں میں مصافحہ کیا کریں۔ لیکن اے حنظلہ گاہے گاہے تین دفعہ فرمایا۔ یعنی آدمی ہمیشہ ایک

ہی حالت پر نہیں رہتا حضوری کی کیفیت کبھی کبھی حاصل ہوتی ہے۔ حضرت شیخ دام مجدہم تحریر فرماتے ہیں کہ یہی حال مشائخ کا ہے کہ ان کی موجودگی میں جو کیفیات و حالات ان کے مریدین و متوسلین کے ہوتے ہیں وہ غیبت میں نہیں رہا کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاک ارشاد میں لفظ ذکر سے اور تعمیم ہو گئی کہ مجلس ذکر اور ذکر کی کثرت میں بھی حضور یعنی مرتبہ احسان حاصل رہتا ہے اور ذکر کی کثرت شیخ کی مجلس میں حاضری کا بھی بدل ہے۔ ۱۲

چنانچہ سلوک کے تمام مشائخ کے یہاں یہی دو چیزیں صحبت شیخ اور کثرت ذکر اصل ہیں۔ تغیر زمانہ سے قلوب میں جب ان چیزوں کے مؤثر ہونے میں کمی آگئی تو مشائخ نے ان دونوں چیزوں میں اپنے تجربات اور فراست سے کچھ جائز شروط وقیود بڑھا دیں۔ مثلاً صحبت شیخ میں اخذ فیض کا حریص ہو کر بیٹھنا۔ اپنے دل کو تمام خطرات سے خالی رکھ کر شیخ کے قلب سے اپنے قلب میں فیض آنے کا خیال کرتے ہوئے اپنے قلب کی طرف متوجہ رہنا مجلس میں ادب کے ساتھ بیٹھنا اور شیخ سے غیبت کی حالت میں بھی اس طرح فیض یاب ہوتے رہنا وغیرہ اور ذکر اللہ میں بھی کچھ قیود لگا دیں کہ اذکار کی کچھ خاص مقداریں مقرر کیں وساوس وخطرات کو کم کرنے خیالات میں یکسوئی پیدا کرنے کے لئے جمعیت وتسکین حاصل کرنے اور روح میں نرمی ولطافت پیدا کرنے کے لئے جہر، ضرب، حرکت و ہیئت کے طریقے مقرر فرمائے۔ اسی طرح تنہائی وخاموشی کی لذت اور لوگوں کے اختلاط وہم کلامی سے نفرت پیدا کرنے کے لئے ذکر خفی اور اس کی شرائط تجویز کیں یہ سب کچھ عوارضات کے پیش آنے پر بطور علاج کے کرنا پڑا۔

چونکہ ذکر کے ان طریقوں کے مقرر کرنے میں مشائخ کے اجتہاد اور تجربات کو دخل ہے اس میں مختلف طبائع اور مختلف زمانوں کی مخصوص ضرورتوں کو بھی پیش نظر رکھا گیا اس لئے کئی طریقے رائج ہو گئے۔

حضرت شیخ دامت برکاتہم کا ارشاد ہے کہ صوفیاء کے یہاں جملہ طرق میں کلمہ شریف کا ذکر ضرور کیا جاتا ہے ہیئت اور طریقہ ہر شیخ طریقت کے یہاں مختلف ہوتا ہے۔ جیسا اطباء کے یہاں دواؤں کی تراکیب میں خلاف ہوتا رہتا ہے مجھے اطباء کے یہاں ایک عجیب چیز دیکھنے کی بڑی نوبت آئی کہ ایک نسخہ کسی بیمار نے کسی طبیب سے لکھوایا اور کوئی فائدہ نہ ہوا۔ وہ دوسرے طبیب کے پاس گیا۔ اس نے اس نسخہ کو

باقی رکھا صرف اوزان اور ترتیب میں ذرا سا فرق کر دیا بڑی حیرت ہے کہ دوائیں بدستور صرف ہیئت کے فرق سے نسخہ کے اثر میں فرق پڑ گیا۔ ۱۲

اذکار میں انہیں قیود کے متعلق حضرت گنگوہی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں۔ اُس زمانہ میں (صحابہ کے دور میں) یہ اشغال بایں قیود اگرچہ جائز تھے۔ مگر ان (قیود) کی حاجت نہ تھی۔ بعد چند طبقات کے جو رنگ نسبت کا دوسری طرح بدلا اور طبائع اس اہل طبقہ کی بسبب بُعد زمان خیریت نشان کے دوسرے ڈھنگ پر آگئیں تو یہ اوراد اس زمانہ کے اگرچہ تحصیل مقصد کر سکتے تھے مگر بدقت و دشواری۔ لہٰذا طلبیان باطن نے کچھ اس میں قیود بڑھا دیں اور کمی زیادتی اذکار کی کی۔ بعد اس کے دوسرے طبقہ نے اس طرح دوسرا رنگ بدلا تو وہاں بھی دوبارہ تجدید کی حاجت ہوئی۔ ثم و ثم۔ جیسا کہ طبیب موسم سرما میں ایک علاج کرتا ہے کہ وہ علاج موسم گرما میں مفید نہیں ہوتا بلکہ حصول صحت کو بعض اوقات مضر ہو جاتا ہے اور باعتبار زمانہ کے اختلاف تدبیر علاج اول دوسرے وقت میں بدل جاتی ہے۔ جو معالجات کہ سو برس پہلے ہمارے ملک کے تھے اور جو کچھ کہ کتب سابقین میں لکھے ہوئے ہیں اب ہرگز وہ کافی نہیں۔ ان کا بدل ڈالنا کتب طب کے اصل قواعد کے موافق ہے اگرچہ علاج جزوی کے مخالف ہو پس اس کو نئی الحقیقت ایجاد نہ کہا جائے گا بلکہ تعمیل اصل اصول کی قرار دی جائے گی۔ ۱۲ جیسا کہ جہاد میں آلات کی تبدیلی کا ضروری ہونا اوپر گزر چکا۔

الحاصل حصول نسبت کے لئے اذکار و اشغال کے مختلف طریقوں اور مجاہدہ و ذکر کے درمیان تقدم و تاخر کرنے میں مشائخ کے بہت سے سلسلے اور خانوادے ہو گئے۔ جن میں چار کو زیادہ شہرت ہوئی چشتیہ نقشبندیہ قادریہ اور سہروردیہ، دراصل یہ سب ایک ہی چیز ہے سب کا مقصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاک ارشادات تعبد اللّٰہ کانک تراہ (الحدیث) کا حاصل کرنا ہے باقی ان امراض قلوب کے یہ سارے مختلف معمولات درجہ احسان (یا حصول نسبت) کے واسطے بطور تدبیر و علاج کے ہیں۔

لہٰذا جب یہ طریقے بطور تدبیر علاج کے درجہ میں ہیں اور حصول مقصد میں کامیاب ہیں اور کوئی ان کو عبادت مقصودہ نہیں کہتا تو ان کو اختیار کرنے کے لئے تجربہ کے سوا کسی دوسری دلیل

فہرست مضامین

کی ضرورت نہیں۔

صحبت اولیاء اور اذکار بطریق صوفیاء سے کامیاب ہونیوالوں کی شہادت

تقریباً ہزار سال سے زیادہ مدت سے اُمتِ محمدیہ کے صالح ترین طبقہ نے جن کا کسی غلط یا غیر واقعی بات پر اتفاق کر لینا عقلاً و نقلاً محال ہے اِس پر اتفاق کیا ہے کہ نور یقین و نسبت احسانی حاصل کرنے کے لئے صوفیاء کرام کا یہ طریقہ یعنی اذکار میں کچھ قیود و شرائط بڑھا کر اُن کی تاثیر کو بڑھانے کا طریقہ اصولاً صحیح اور نتیجۃً کامیاب ہے۔ کون اِس سے انکار کر سکتا ہے کہ مشاہیر اولیاء اُمت مثلاً خواجہ معروف کرخی، بشر حافی، سری سقطی، شقیق بلخی، بایزید بسطامی جنید بغدادی، ابوبکر شبلی، شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ شہاب الدین سہروردی شیخ احمد رفاعی، شیخ ابوالحسن شاذلی، خواجہ عثمان ہارونی، خواجہ معین الدین چشتی؟ خواجہ بہاؤالدین نقشبندی اور پھر ہمارے اِس دوسرے ہزارے کی گذشتہ تین صدیوں میں خواجہ باقی باللہ امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اور اُن کے خلفاء اور شاہ ولی اللہ دہلوی، سید احمد شہید پھر تیرہویں چودھویں صدی کے اکابر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت محدث جلیل خلیل احمد سہارنپوری حضرت حکیم الامت تھانوی اور ان سب حضرات کے خلفاء جن میں حضرت شیخ الاسلام حسین احمد مدنی، حضرت اقدس رائپوری حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی رحمہم اللہ اور موجودہ وقت کے قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم گذشتہ ہزار سال کی مدت میں ان حضرات جیسے سیکڑوں افراد ہیں جو اپنے اپنے وقت میں اِس نسبت کے حامل بلکہ اِس راہ کے اِمام اور داعی ہوئے ہیں اور اِن میں سے ایک ایک کی صحبت و تربیت سے اللہ تعالیٰ کے ہزاروں لاکھوں بندوں کو یہ دولت حاصل ہوئی ہے۔ جو شخص اِن سلسلوں سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ اِن بزرگوں کو جو کچھ حاصل ہوا۔ اِس راہ سے حاصل ہوا تھا اور انہوں نے اِسی طریقہ پر دعوت و تبلیغ کا کام بھی کیا انہیں کی کوششوں سے ہم تک دین پہنچا اور ہدایت ملی پس جس طریقہ نے اُمت محمدیہ میں اتنے کاملین اور اِس قدر اصحاب احسان و یقین پیدا کئے ہوں اِس کے صحیح اور کامیاب

اور مقبول ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے اور اُمت کے خواص کی اتنی بڑی جماعت کا کسی خلاف شرع امر پر اجماع کر لینا عقلاً محال ہے اِس بات کی تائید حدیث پاک لا تجتمع امتی علی الضلالہ سے بھی ہوتی ہے کہ میری امت کبھی گمراہی پر مجتمع نہیں ہو گی اور اِس جماعت کے کسی فرد کی نیت پر بھی حملہ نہیں کر سکتے۔ قلم زبان کی اور زبان قلم کی شاہد ہیں کہ ہم کو ان مشائخ کی صحبت سے کہ جن کا سلسلہ صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہنچتا ہے۔ باطن میں نقہ اور عقائد کے علاوہ ایک خاص حالت پیدا ہوئی اور یہ نقہ اور عقائد تو ان کی صحبت سے پہلے بھی دل میں جلوہ گر تھے اور اِس خاص حالت سے (یعنی حصول نسبت سے) خدا اور اس کے دوستوں سے موانست، اعمال صالحہ اور توفیق حسنات اور اعتقادات حقہ میں اور مضبوطی پیدا ہو گئی اور یہ حالت ایک کمال ہے جو دیگر تمام کمالات کا سبب ہے۔

اولیاء کی صحبت کا حکم

اولیاء کی صحبت اختیار کرنے کا حکم خود حق تعالٰی نے دیا ہے ارشاد ہے کہ یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین یعنی اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ حتی کہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے مخلصین اور یاد کرنے والوں کے ساتھ جم کر بیٹھنے کا حکم فرمایا (تاکہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت سے ان کو کمالات و ترقیات نصیب ہوں)

صحبت کے مؤثر ہونے کی دوسری دلیل

صحبت کے اثر کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یوں بیان فرمایا ہے کہ المرءُ علی دین خلیلہ فلینظر احدکم مع من یخالل یعنی آدمی وہ دین اور راستہ اختیار کرتا ہے جو اس کے دوست کا ہوتا ہے پس دیکھو کہ کس کے ساتھ دوستی اور صحبت رکھتا ہے۔ (مشکوٰۃ از ترمذی)

صحبت کے مؤثر ہونے کی تیسری دلیل

اور بخاری شریف کی ایک حدیث کا اس طرح مضمون ہے کہ صالح ہمنشین کی مثال عطر فروش کی سی ہے کہ عطر نہ بھی دے گا تب بھی اس کی خوشبو سے بہرہ یابی ضرور ہوگی اور بد ہمنشین ایسا ہے جیسے لوہار کہ اگر آگ بدن اور کپڑے کو نہ جلائے گی تب بھی دھوئیں کی بدبو دماغ کو ضرور پریشان کر دے گی۔

چوتھی دلیل

بخاری و مسلم کی دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ یعنی ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے۔ مگر اس کے ماں باپ اس کو یہودی کر لیتے ہیں، عیسائی کر لیتے ہیں یا مجوسی کر لیتے ہیں۔ دیکھیں اس میں صحبت کی کتنی زبردست تاثیر بیان فرمائی گئی ہے کہ وہ انسان کی فطری استعداد تک کو بدل کر رکھ دیتی ہے۔ یہ تو عام صحبت کا حال ہے۔ پھر مشائخ کی صحبتوں کا کیا پوچھنا جب کہ وہ اثر لینے اور اثر دینے یعنی توجہ اور ہمت والی شرائط اور آداب کے ساتھ ہوں۔

جن اعلیٰ درجہ کی ایمانی و احسانی اور روحانی کیفیات کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ساری امت پر فضیلت ہے وہ صحبت نبوی ہی کی تو تاثیر تھی صحابی کے معنی ہی صحبت یافتہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں۔ انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے انوار نبوت کو اپنے سینوں میں حاصل کیا۔ کیونکہ علم نبوت کے نقوش تو اب بھی کتابوں میں سے لئے جاسکتے ہیں لیکن انوار نبوت کا محل کاغذ نہیں بن سکتا۔ نور کا محل تو مومن کا قلب ہی ہو سکتا ہے۔ اللہ پاک کے ارشاد مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح الآیہ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ شوق ہو تو اس کی تفسیر دیکھ لو۔

صوفیاء کرام کے طریقوں کا تسلسل

علوم نبوت تو کتابوں میں منتقل ہوتے آرہے ہیں اور انوار نبوت سینوں سے سینوں میں منتقل ہوتے آرہے ہیں۔ اس لئے ہمیشہ سے حاملانِ علوم نبوت نے انوار نبوت حاصل کرنے کے لئے اولیاء اللہ

کی صحبت اختیار فرمائی ہے۔ اسی وجہ سے یہ نسبت باطنی نسبت سلسلہ کہلاتی ہے چنانچہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ جو کچھ حق تعالےٰ نے میرے سینہ میں ڈالا تھا وہ میں نے ابوبکر کے سینہ میں ڈال دیا۔ پس حضرات صحابہ کے قلوب اس نور سے روشن ہو گئے اور اُن کے وجود کا چراغدان منور ہو گیا پھر انہیں حضرات کے معارف کی روشنیاں تابعین کے قلوب پر منعکس ہوئیں اور اسی طرح آئندہ سلسلہ چلتا رہا۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ قول الجمیل میں تحریر فرماتے ہیں صحبتنا تعلمنا آداب الطریقۃ والسلوک متصلۃ الٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالسند الصحیح المستفیض المتصل یعنی ہماری صحبت اور طریقت اور سلوک کے آداب کو سیکھنا متصل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تک صحیح سند سے اور متصل ہے تا صاحب رسالت۔

صوفیاء رحمہم اللہ کے یہاں ثابت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھکو وہ راستہ دکھائیے جو بندگان خدا پر سب سے زیادہ قریب اور سہل تر ہو۔ اور حق تعالےٰ کے نزدیک سب سے افضل ہو۔ آپ نے فرمایا کہ خلوت میں ذکر پر مداومت کو لازم پکڑلو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا کہ ذکر کس طرح کروں آپ نے فرمایا کہ اپنی آنکھیں بند کرلو اور مجھ سے سنو اس کے بعد آپ نے تین مرتبہ لا الٰہ الا اللہ کہا اور علی کرم اللہ وجہہ سن رہے تھے پھر علی کرم اللہ وجہہ نے تین مرتبہ کہا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سنتے تھے۔ بعد ازاں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسن بصریؒ کو اور حضرت حسن بصریؒ نے عبدالواحدؒ بن زید کو اور حبیب عجمی کو تلقین کیا اور اسی طرح سلسلہ تلقین جاری رہا۔ یہاں تک کہ متعدد سلسلے اور مختلف طریقے اور متفرق شعبے پیدا ہو گئے۔ (امداد السلوک)

چنانچہ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت شداد فرماتے ہیں اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ اس واقعہ کی تصدیق کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے دریافت فرمایا کوئی اجنبی (غیر مسلم) تو مجمع میں نہیں ہم نے عرض کیا کوئی نہیں۔ ارشاد فرمایا۔ کواڑ بند کردو اس کے بعد ارشاد فرمایا ہاتھ اٹھاؤ اور کہو لا الٰہ الا اللہ ہم نے تھوڑی دیر ہاتھ اٹھائے رکھے اور کلمہ طیبہ پڑھا پھر فرمایا الحمد للہ اے اللہ تو نے مجھے یہ کلمہ

دیکر بھیجا ہے اور اس کلمہ پر جنت کا وعدہ کیا ہے اور تو وعدہ خلاف نہیں ہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ خوش ہو جاؤ اللہ نے تمہاری مغفرت فرما دی۔

صوفیاء نے اس حدیث سے مشائخ کا اپنے مریدوں کی جماعت کو ذکر تلقین کرنے پر استدلال کیا ہے۔ چنانچہ جامع الاصول میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابہ کو جماعۃً اور منفرداً ذکر تلقین کرنا ثابت ہے۔ جماعت کو تلقین کرنے میں اس حدیث کو پیش کیا ہے۔

سلاسل اربعہ کے مشائخ کی تلقین ذکر و اجازت بیعت کا سلسلہ فخر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک مسلسل و متصل چلا آ رہا ہے چنانچہ ان سلاسل کے شجرات مشہور و معروف ہیں جو مریدوں کو داخل سلسلہ ہونے پر دیئے جاتے ہیں تاکہ اپنے بزرگوں سے ربط و تعلق کا دھیان رہے جو باعث برکت اور سلسلہ کے فیوض حاصل ہونے میں معین ہے۔

صحبتوں کا فرق

صحابہ کرام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بیٹھے اور ان سے بلاواسطہ حصول فیض کیا۔ یعنی ان کے دل مشکوٰۃ نبوت سے کسب نور تھے پھر تابعین نے صحابہ کی صحبت سے انوار حاصل کئے۔ یہاں تک کہ اولیاء کو یہ نعمت جو حاصل ہوئی تو صرف اپنے مرشدوں کی صحبت میں بیٹھنے سے اور اُن کی خدمت کرنے سے ہوئی۔ لیکن اُس صحبت اور اس صحبت میں بڑا فرق ہے۔ جیسا کہ گذشتہ اوراق میں بھی بیان ہوا کہ روحانیت اور تاثیر کم ہوتی گئی اس فرق کی وجہ سے صحابہ کی فضیلت اور غیر صحابہ کی فضیلت میں فرق ہے اور صحبتوں کے کمزور ہو جانے کی وجہ سے مشائخ کو احسانی کیفیت پیدا کرنے کے لئے صحبت کے ساتھ اذکار و اشغال کا اضافہ کرنا پڑا۔

حصول نسبت میں ذکر اللہ اور اشغال کی فضیلت و تاثیر

اللہ تعالٰے فرماتے ہیں و لذکر اللہ اکبر یعنی اللہ کا ذکر سب سے بڑھکر ہے۔ علماء اس کی تفسیر

میں فرماتے ہیں کہ یہی وہ چیز ہے جسے نماز اور جہاد وغیرہ تمام عبادات کی روح کہہ سکتے ہیں یہ نہ ہو تو عبادت کیا ایک جسد بے روح ہے اور لفظ بے معنیٰ۔ یعنی چونکہ ذکر ہی سے اخلاص پیدا ہوتا ہے اور اخلاص کے بغیر اعمال مردہ ہوتے ہیں اور علوم بلا معنی رہ جاتے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام مدنی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ ایک حدیث میں ہے کہ ما من عمل انجیٰ من ذکر اللہ یعنی کوئی چیز خدا کے عذاب سے اس قدر بچانے والی نہیں جس قدر خدا کا ذکر بچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے غصے اور اس کے عذاب سے بچنے کی بہترین صورت اللہ کا ذکر ہے ایک روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مجلس میں ذکر اللہ کی فضیلت بیان فرما رہے تھے کہ قلوب کی اصلاح کرنا چاہیئے اور یہ ذکر اللہ ہی سے ہو سکتی ہے۔ ایک صاحب نے اس مجلس میں دریافت کیا یا رسول اللہ کا ذکر جہاد فی سبیل اللہ سے بھی زیادہ افضل ہے؟ ایک شخص اللہ کی راہ میں سر کٹاتا ہے وہ افضل ہے یا خدا کا ذکر کرنے والا؟ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں نکلا اور سر سے پیر تک لہولہان اور زخمی ہوگیا۔ وہ شخص بھی اس قدر خدا کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے والا نہیں جس قدر خدا کا ذکر کرنے والا۔ کیونکہ اگر جہاد کرنے والا ذکر اللہ نہیں کرتا تو وہ مقبول نہیں کہ جہاد میں بھی خدا کے ذکر کا حکم ہے یا ایھا الذین آمنوا اذا لقیتم فئۃ فاثبتوا واذکروا اللہ لعلکم تفلحون یعنی جب تمہاری مڈبھیڑ دشمن سے ہو تو جم جاؤ اور خدا کا ذکر کرو تاکہ فلاح پاؤ۔ بس خدا کی یاد جہاد کی بھی جڑ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم کیا گیا تھا اقم الصلوۃ لذکری نماز کو میری یاد کے لئے قائم کرو۔ یعنی بڑا مقصود اللہ کا ذکر ہے۔ انتھیٰ کلامہ۔ خود نماز بھی ذکر کی کیفیت کے بغیر پڑھی جائے تو وہ صلوۃ منافق کے مشابہ ٹھہرے گی جس کی نسبت حدیث پاک میں فرمایا گیا لا یذکر اللہ فیھا الا قلیلا اور ایسی نماز کی نسبت لم یزد بھا من اللہ الا بُعداً کی وعید آئی ہے یعنی ایسی نماز اللہ سے بُعد کا باعث ہوتی ہے اور دوسری روایت میں پرانے کپڑے کی طرح منہ پر مار دیا جانا، نماز کا مصلی کے لئے بد دعا کرنا بھی آیا ہے۔

حضرت اقدس شیخ دامت برکاتہم اپنے رسالہ شریعت و طریقت میں تحریر فرماتے ہیں کہ اشغال

یں سب سے بڑا اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور جملہ اذکار میں سب سے اہم کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہے اسی لئے صوفیاً کے یہاں جملہ طرق میں اس کلمہ شریف کا کثرت سے ذکر ضرور کیا جاتا ہے۔ ہیئت اور طریقہ (اور مقدار) ہر شیخ طریقت کے یہاں مختلف ہوتا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ مجھے ورد تعلیم فرما دیجئے جس سے آپ کو یاد کیا کروں اور آپ کو پکارا کروں۔ ارشاد خداوندی ہوا کہ لا الٰہ الا اللہ کہا کرو۔ انہوں نے عرض کیا اے پروردگار یہ تو ساری ہی دنیا کہتی ہے۔ ارشاد ہوا کہ لا الٰہ الا اللہ کہا کرو۔ عرض کیا کہ میرے رب میں تو کوئی ایسی مخصوص چیز مانگتا ہوں۔ جو کہ مجھ ہی کو عطا ہو۔ ارشاد ہوا کہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں رکھدی جائیں اور دوسری طرف لا الٰہ الا اللہ کو رکھدیا جائے تو لا الٰہ الا اللہ کا پلڑا جھک جائے گا۔

ذکر اللہ سے تزکیہ و اصلاح کی دوسری دلیل

رسالہ فضائل ذکر میں کئی حدیثیں لا الٰہ الا اللہ کی فضیلت کی اور اہمیت کی ذکر کی گئی ہیں۔ منجملہ ان کے یہ بھی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ افضل ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس میں ذرہ بھی شک نہیں کہ تمام ذکروں میں افضل اور سب سے بڑھا ہوا ذکر کلمہ طیبہ ہے کہ یہی دین کی وہ بنیاد ہے جس پر سارے دین کی تعمیر ہے اور یہ وہ پاک کلمہ ہے کہ دین کی چکی اس کے گرد گھومتی ہے۔ اسی وجہ سے صوفیا و عارفین اس کلمہ کا اہتمام فرماتے ہیں۔ اور سارے اذکار پر اس کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کی جتنی ممکن ہو کثرت کراتے ہیں کہ تجربہ سے اس میں جس قدر فوائد اور منافع معلوم ہوئے ہیں کسی دوسرے میں نہیں۔

ذکر اللہ سے تزکیہ و اصلاح کی تیسری دلیل

ارشاد الملوک میں ہے کہ حق تعالےٰ قلب کی اصلاح ذکر کے واسطے سے فرماتا ہے اس لئے کہ قلب کا مطلوب و محبوب حق تعالےٰ اور اس کی صفت کا ذکر ہے پس اپنے محبوب کے ذکر سے قلب غذا اور قوت پاتا اور مطہر و منور و مصفا بنجاتا ہے اور جس قلب کو حق تعالےٰ محبوب بناتا اور اپنا تقرب بخشتا ہے اور نبوت یا ولایت کے مرتبہ پر پہنچاتا ہے تو اول اس قلب پر اپنا ذکر مسلط فرماتا ہے تاکہ اس ذکر کی روشنی و تصرف سے دل پاک اور نورانی بن جائے ۱۲۔

ذکر اللہ سے تزکیہ کی چوتھی دلیل

حدیث پاک میں وارد ہے کہ لا الہ الا اللہ تمام اذکار میں افضل ہے اور سہل تستریؒ نے فرمایا ہے کہ جنت تو معاوضہ ہے تمام اعمال کا اور کلمہ لا الہ الا اللہ کی بجز دیدار حق کے کوئی جزا نہیں ہو سکتی۔ یہی کلمہ ہے جس کو اگر کافر کہہ لے تو اس کے کفر کی ظلمت دور ہو جائے اور اس کے دل میں ایمان کا نور پیدا ہو جائے اور اگر مسلمان کہے تو گو دن میں ہزار بار کہے مگر ہر دفعہ اس کے کہنے سے کچھ نہ کچھ کثافت ضرور دور ہوگی اور اس کا مرتبہ بلند کرے گا اور حق تعالےٰ کے مرتبہ علم کی کوئی انتہا نہیں اس لئے اگر بے انتہا بھی اس کلمہ کو پڑھے گا تو بے انتہا مراتب پائے گا اور اس کی کثرت کرنے سے جب یہ رگ و پے میں رچ جائے گا تو بیماری بے ہوشی وغیرہ ہر حالت میں یاد رہے گا اور مرتے وقت بھی زباں پر جاری ہو جائے گا۔ حدیث پاک میں ہے۔ من کان آخر کلامہ لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ یعنی وہ شخص ضرور جنت میں داخل ہوگا جس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہوگا۔

نیز ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی ہے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہ لا الہ الا اللہ کا اتنی کثرت سے ذکر کرو کہ لوگ دلیوانہ کہنے لگیں۔

ذکر اللہ سے تزکیہ کی پانچویں دلیل

نیز جاننا چاہیئے کہ شیطان اور اس کے مکر کو مرید سے پھیرنے کے لئے ذکر سے بہتر کوئی تدبیر نہیں۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ نماز روکتی ہے بے حیائی اور معصیت سے اور اللہ کا ذکر البتہ بہت بڑا ہے۔ یعنی کبر وغرہ کو کھونے اور اوصاف ذمیمہ کے دفع کرنے میں غایت مؤثر ہے (کہ ان اوصاف ذمیمہ کے ہوتے ہوئے سالک کو قبولیت نہیں ہوتی اگر ان رذائل کے دور کرنے کے لئے مجاہدات شاقہ کی قوت نہیں رہی تو کثرت ذکر سے ذکر کے غلبہ میں یہ سب رذائل دب جائیں گے)

خصوصاً کلمہ طیبہ کہ اس بارے میں اس کی تاثیر بہت زیادہ ہے اور اکثر مشائخ نے آیت کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ اللہ کا تم کو یاد کرنا بڑا ہے تمہارے اللہ کو یاد کرنے سے (اور اللہ کا یاد فرمانا بندے کے یاد کرنے پر مرتب ہوتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے فاذکرونی اذکرکم) اور یہ معنی بھی مناسب ہیں کیونکہ حق تعالیٰ کا ہم کو یاد فرمانا بنظر رحمت وقبولیت اور عطاو فضل ہمارے تمام اوصاف ذمیمہ کو دفع کرتا ہے۔ پس تزکیہ اور تطہیر کے بارے میں ذکر اللہ بہرحال نماز سے اکبر اور بڑا زبردست مؤثر ہوا۔

ذکر اللہ سے اوصاف حسنہ حاصل ہونے کی وجہ

صدق واخلاص سے اللہ تعالیٰ کے ذکر کی علامت قلب کی رقت اور خوف ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے مومنین وہ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور یہ اس وجہ سے کہ ان کا ذکر عبودیت اور عبادت کا ذکر اور بیداری وجمعیت والنس کا ذکر ہوتا ہے نہ کہ عادت یا غفلت اور تفرقہ ووحشت کا ذکر۔ (ذکر کے یہ اوصاف صوفیاء کرام کی مقرر کردہ شرائط کے ساتھ ذکر کرنے سے حاصل ہوتے ہیں) اور ذاکر کو اوصاف حسنہ اس وجہ سے حاصل ہوتے ہیں کہ حق تعالیٰ اس ذکر کرنے والے کو اپنی عنایت ومہربانی سے ملائکہ مقربین کی جماعت میں فخر کے ساتھ یاد فرماتا ہے۔

چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو شخص مجھ کو اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں جو اس کے مجمع سے بہتر ہے پس جس کو حق تعالیٰ نے یاد فرمایا اس کو ذکر قلب وسر اور مذکور میں استغراق اور ذات بحت میں غائب ہو جانے کا مرتبہ نصیب ہو جاتا ہے اور اس کا قلب عمدہ احوال سے اور اس کا باطن اعمال صالحہ سے متصف بن جاتا ہے کیونکہ بدنی اعمال صالحہ کا حوالہ قلب کی

اصلاح اور صفائی ہے اور حدیث پاک میں ہے لکل شئ صقالۃ وصقالۃ القلوب ذکر اللہ یعنی ہر شے کا ایک میقل (چمکانے والا) ہوتا ہے اور قلوب کا میقل اللہ کا ذکر ہے۔

سبحان اللہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے بندوں پر کس قدر لطف خاص اور رحم اتم نازل فرمایا کہ ذکر کا حکم فرمایا اور اس کے واسطے سے تزکیہ و تصفیہ اور نورانیت دیا کی مقرر فرمائی۔

ذکر اللہ سے تزکیہ و تصفیہ حاصل ہونیکی دوسری وجہ عشق الٰہی کا پیدا ہونا ہے

تزکیہ و تصفیہ اور نور یقین اس عشق کی وجہ سے بھی حاصل ہوتا ہے جو ذکر اللہ کی برکت و تاثیر سے پیدا ہو جاتا ہے جب کہ ذکر اللہ کی تاثیر کو بڑھانے والی شرائط کو ملحوظ رکھ کر صوفیاء کرام کے طریقہ پر ذکر کیا جائے۔

ارواح و قلوب کے عشق کی قدامت

ہماری ارواح کو محبوب حقیقی اللہ جل شانہ نے اپنا عشق تو عالم ارواح ہی میں عطا فرما دیا تھا کہ اس وقت اسباب عشق یعنی صفات جمال، کمال اور احسان کا ہماری ارواح کو مشاہدہ کروا دیا تھا۔ یکرم نوازی اس طرح فرمائی تھی کہ ہماری ارواح سے براہ راست کلام فرمایا تھا اور یہ سوال کیا تھا۔ الست بربکم کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ اس پر ہم سب نے جواب دیا تھا بے شک ہم سب گواہ بنتے ہیں۔ گواہی اور شہادت تو کچھ دیکھ کر ہی دی جاتی ہے ہم نے وہ کیا دیکھا تھا وہ اللہ پاک کے کلام الست بربکم میں اس کی ربوبیت کے انوار دیکھے تھے اور یہ قاعدہ ہے کہ نور خود ظاہر ہوتا ہے اور اپنے غیر کو بھی ظاہر کر دیتا ہے چنانچہ اس کلام پاک کے ساتھ ربوبیت کے انوار ہماری ارواح پر پھیل گئے یعنی ارواح پر صفت ربوبیت کی تجلی ہوئی اور ارواح نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا تفصیلی کمال کا مشاہدہ کیا اس کے ساتھ اسی نور کی وجہ سے اپنی تفصیلی احتیاج اور فقر کا بھی مشاہدہ ہو گیا۔ گویا ان دونوں مشاہدوں سے اللہ تعالیٰ کے صمد ہونے کا علم حاصل ہو گیا جو اللہ تعالیٰ سے عشق کا باعث؟

چنانچہ ہماری ارواح محبت سے مست ہوگئیں اور اُسی مستی میں اس بار امانت کو اٹھانے کے لئے تیار ہوگئیں جس کو اٹھانے سے زمین وآسمان اور پہاڑوں نے بھی معذرت کردی تھی آیت شریفہ انا عرضنا الامانة علی السمٰوات والارض الخ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

پھر جب یہ ارواح مادی جسم میں مقید اور محبوس ہوگئیں تو جسم کے عوارضات کی وجہ سے روح کے ادراک کے آئینہ یعنی قلب کو زنگ لگ گیا اور اس میں اندھیرا ہوگیا۔ اس لئے محبوب اور اس کی محبت سے بندہ کو غفلت ہوگئی۔ حالانکہ واقع میں وہ محبوب اس کے ساتھ اور قریب موجود ہے بس اذکار و اشغال کے ذریعہ جب وہ زنگ دور ہوجاتا ہے تو قلب میں محبوب کی کچھ جھلک آتی ہے تو وہی پرانی عشقی کیفیت پھر لوٹ آتی ہے ؎

دل ازل سے ہے کوئی آج کا شیدائی ہے
تھی جو اک چوٹ پرانی وہ ابھر آئی ہے

اگرچہ گذشتہ اوراق میں ذکر کے ماثورہ اثرات بیان ہوچکے مگر آج کل ہماری حالت ایسی ہوگئی ہے کہ جب تک ہماری ناقص و محدود عقل میں کوئی چیز نہیں آجاتی تب تک اطمینان نہیں ہوتا۔ حدیث میں ذکر کے فضائل اور اثرات سن کر اور معتبر تجربہ کاروں کی شہادت ملنے پر بھی زبانوں پر آجاتا ہے کہ ذکر میں مشغولی سے کیا فائدہ اس سے کیسے اصلاح ہوجائے گی ذاکرین محض نشہ کی طرح محویت اور لذت کے لئے ذکر کرتے ہیں ایمان کی مضبوطی اور یقین کی دولت تو صرف دعوت و جہاد ہی سے حاصل ہوسکتی ہے حالانکہ ذکراللہ کے بغیر کسی قسم کا مجاہدہ اور عمل کوئی چیز نہیں بلکہ سارے اعمال کا دارومدار قلب کی اصلاح اور اس کا زنگ دور ہونے پر ہے جب کہ حدیث پاک میں ہے اذا صلحت صلح الجسد کلہ اور دوسری حدیث میں صقالة القلوب یعنی دلوں کو چمکانے والی چیز ذکراللہ کو فرمایا گیا ہے۔ ہم کو ایسے انداز فکر سے شرم آنا چاہئے اور اپنے ایمان کی خیر منانا چاہئے کوئی بدقسمتی سے چاہے ذکر کی لائن کو اختیار نہ کرے مگر ذاکرین اور خانقاہوں کی تحقیر کرنا ایمان کے لئے بہت خطرناک ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ سے محبت کی علامت اس کے ذکر سے محبت ہے اور اللہ سے بغض کی علامت اس کے ذکر سے بغض ہے۔ حضرت اقدس شیخ فرماتے

ہیں کہ آج خانقاہوں کے بیٹھنے والوں پر ہر طرح الزام ہے ہر طرف سے نقرے کسے جاتے ہیں آج انہیں جتنا دل چاہے بُرا بھلا کہہ لیں کل جب آنکھ کھلے گی اس وقت حقیقت معلوم ہو گی کہ یہ بوریوں پر بیٹھنے والے کیا کچھ کما کر لے گئے اور یہ ہنسنے والے اور گالیاں دینے والے کیا کما کر لے گئے۔

فسوف تری اذا انکشف الغبار　　　افرس تحت رجلک ام حمار

یعنی عنقریب جب غبار ہٹ جائے گا تو معلوم ہو گا کہ گھوڑے پر سوار تھے یا گدھے پر۔

ان خانقاہوں کی اللہ کے یہاں کیا قدر ہے جن پر آج چاروں طرف سے گالیاں پڑ رہی ہیں یہ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے جن میں ان کی فضیلتیں ذکر کی گئی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون غیر یہ جملہ معترضہ تھا۔

مرا در دلیست اندر دل اگر گویم زبان سوزد
وگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

اب دانش مندوں کے لئے ذکر شغل کے عمل کو تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے

حصول عشق اور جذب میں ذکر کے سبب ہونے کی توضیح

پہلے بطور تمہید ایک مثال بیان کی جاتی ہے جس کے بعد ذکر کا عمل سمجھنا آسان ہو گا۔ فرض کرو ایک شخص جس کے دل میں قدیم سے کسی محبوب کا عشق ہو اور وہ محبوب اس کے قریب بھی بیٹھا ہوا ہو لیکن اس کو اپنے محبوب کے قریب ہونے کا احساس نہ ہو کہ اس کی آنکھیں بیمار ہوں دیکھ نہ سکتا ہوں۔ کانوں میں میل بھرا ہو جس کی وجہ سے سنائی نہ دیتا ہو، زکام کا بھی مریض ہو جس کی وجہ سے محبوب کی خوشبو بھی نہ محسوس کر سکتا ہو پھر اس پر نیند، غفلت اور نشہ بھی طاری ہو (نشہ خواہ دنیا کا ہو یا لفظی علم دین کا ہو یا نام نہاد پرہیزگاری کا ہو) تو اس کو محبوب کا کچھ ادراک نہ ہو گا اس لئے اس کی طرف کچھ کشش بھی نہ ہو گی۔ اگرچہ دل میں محبوب کا ہلکا سا خیال اور علم بھی رکھتا ہو مگر اس پر محبوب کے سامنے ہونے کی لقینی اور عشقی کیفیت نہ ہونے کے سبب وہ محبوب کے لئے کوئی کام پورے خلوص

سے نہ کرسکے گا۔ بلکہ اس کے ہر عمل میں کبھی جلی اور کبھی خفی طور پر نفس کی آمیزش ضرور شامل ہو جائے گی جس کا علم بھی اخلاص حاصل ہونے کے بعد ہی ہو سکتا ہے کیونکہ اس کا نفس اور اس کی ذات تو موجود حاضر ہے اور محبوب غائب ہے صرف محبوب کا نام زبان پر ہے اس لئے اِس کے واسطے کوئی کام بھی برائے نام ہی کرے گا۔ اب اگر کوئی معالج کچھ تدابیر کر کے اس کو غفلت سے بیدار کر دے۔ اس کے کانوں کو صاف کرے۔ تو وہ غافل شخص اپنے محبوب کی کچھ آواز کچھ بھنک اور کچھ جھلک دیکھ لے گا تو اس کے علم و ادراک میں محبوب کا پرانا عشق اُبھر آئے گا۔ پھر اس کی طبیعت اس کے ساتھ وصال چاہے گی اور اس کی طرف ہاتھ بڑھائے گی اس وقت جو پردہ اور جو چیز اس وصال سے روکنے والی مزاحم ہوگی اس کے ساتھ اس کا ٹکراؤ ہوگا۔ جوش کے ساتھ مقابلہ ہوگا۔ ہاتھ پاؤں مارنا، چلّانا، عاجزی کرنا۔ غم۔ جوش اور دیوانگی وغیرہ حالات پیش آئیں گے اور اس حالت کو عشق کہتے ہیں۔ پھر اگر اس عشقی حالت کو بڑھانے والے دیگر موئیدات شامل ہو جائیں تو یہ کیفیت بڑھتی رہتی ہے حتیٰ کہ ہر مزاحم کو شکست دے کر اور ہر پردہ کو پھاڑ کر محبوب سے وصال کرتا ہے اب اگر محبوب کی ذات و صفات غیر متناہی ہو تو اس کا اضطراب ختم نہیں ہوگا محبت ہمیشہ بڑھتی ہی جائے گی اور یہ محبوب کے اندر ترقی کرتا ہی جائے گا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب محبت میں خوب پختگی اور رسوخ ہو جائے گا تو بظاہر سکون کی حالت ہو جائے گی جیسا کہ ہوائی جہاز میں صعود کے وقت تو حرکت اور شور ہوتا ہے سواری کے لوٹ پوٹ ہونے اور چوٹ لگنے کا خطرہ ہوتا ہے اس لئے سواریوں کو تو پیٹیوں سے باندھ کر رکھتے ہیں اور راستے کے مشاق جہاز کے ملازم اس وقت بھی کھلے پھرتے ہیں۔ پھر بلندی پر جا کر جب تیزی سے سفر طے ہونا شروع ہو جاتا ہے اس وقت رفتار تو بہت ہوتی۔ ہے مگر بظاہر کوئی حرکت نہیں ہوتی اِس طرح محبت میں رسوخ کے بعد وہ عاشق عام لوگوں کی طرح کمال عقل مندی کے ساتھ دین و دنیا کے سارے کام کرے گا مگر اس کے پیشِ نظر محبوب کے علاوہ کچھ باقی نہ رہے گا تو اس کی ہر حرکت و سکون کا اصل محرک محبوب ہی کی رضا ہوگی اب اس کا سر میں تیل ڈال کر گہری نیند سونا بھی غفلت میں شمار نہیں ہوگا کیونکہ سونے سے مقصد یہ ہوگا کہ تازہ دم ہو کر محبوب کی خدمت کروں گا جب غفلت اور خواہشات کے امور میں اس کے

فہرست مضامین

خلوص کی یہ حالت ہے تو براہ راست محبوب کی مٹھی چاپی کرنے میں خلوص کا کیا حال ہوگا۔اس لئے عشاق کے متعلق کہا گیا ہے کہ ان کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر۔یعنی ہماری عبادت پر۔اب اس مثال کے بعد ذکر کے عمل کو بغور سمجھیں۔

ذکر کی کرشمہ سازی اور تصرّف

ذکر کے معنی تو اللہ تعالیٰ کی یاد کے ہیں لیکن جن الفاظ سے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جاتا ہے وہ الفاظ بھی ذکر اللہ کہلاتے ہیں جیسا کہ حدیث پاک میں لا الہ الا اللہ کو افضل الذکر فرمایا گیا ہے۔اس طرح اسم مبارک کے ذکر کا بھی حکم ہے وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ یعنی اپنے رب کے نام کو یاد کرو کہ یہ بھی قائم مقام اللہ کی یاد ہی کے ہو جاتا ہے کیونکہ اسم مبارک ذات مقدسہ سے الگ نہیں اس لئے اسم کی یاد سے کچھ نہ کچھ ضرور ذات پاک کی یاد اور اس کی طرف توجہ ہو ہی جاتی ہے جیسا کہ مشاہدہ ہے اور اگر اس توجہ کرنے کا اہتمام بھی کیا جائے تو جلد کامیابی ہو جاتی ہے۔یہ معاملہ ہر اسم اور اس کے مسمیٰ میں ظاہر ہے لیکن محبوب حقیقی کے اسم میں تو بہت برکت اور بہت اثر ہے۔

اگرچہ وہ مبارک اسم ذات پاک کا عین نہیں مگر اس سے جدا بھی نہیں (جیسا کہ اہل حق کا عقیدہ ہے) اس اسم میں ذاتِ مقدسہ کی ایک جھلک یا ایک تجلی ہے یہی تجلی ذاتِ مقدسہ کی طرف متوجہ ہونے کا باعث بنتی ہے پھر اس توجہ الی اللہ میں ایک دوسری تجلی ہے جس کو ذاتِ مقدسہ سے بہت ہی قرب اور اتصال ہے اس لئے قلب کو جب یہ توجہ الی اللہ حاصل ہو جاتی ہے تو قلب اپنے محبوب کا ایک قسم کا تھوڑا سا ادراک کر لیتا ہے۔مثال کے طور پر پہلے تو محبوب کے نام سے اس کی طرف توجہ ہوتی ہے کیونکہ نام سے محبوب کو ایک تعلق ہوتا ہے جو متوجہ ہونے اور دیکھنے کا باعث ہو جاتا ہے اس دیکھنے کو محبوب سے ایک دوسرا تعلق ہوتا ہے جو پہلے نام کے تعلق کی نسبت بہت گہرا ہوتا ہے اس کے حاصل ہونے پر محبوب کا ادراک ہو کر عشق پیدا ہو جاتا ہے یا بڑا نا عشق اُبھر آتا ہے۔

ذکر کا یہ اثر اور عمل ایک دفعہ نام مبارک لینے سے بھی کچھ نہ کچھ حاصل ہوتا ہے لیکن قلب کے

زنگ اور امراض قلبی کی وجہ سے خفیف اثر محسوس نہیں ہوتا۔ اگر یہی ذکر کثیر تعداد میں اور اثر بڑھانے والی شرائط کے ساتھ کچھ عرصہ مسلسل کیا جائے تو وہ ذاکر کے حلق، زبان اور کان کو نور اور سکینہ سے مالا مال کر دیتا ہے یعنی حواس کو تندرستی اور بیداری حاصل ہو جاتی ہے اور توجہ الی اللہ حاصل ہو جاتی ہے پھر ایسی توجہ سے ذات مقدسہ کا کچھ ادراک اس کی ایک مہک اور جھلک قلب کو محسوس ہونے لگتی ہے جس کو اصطلاح میں تجلیات کا ورود کہتے ہیں۔ ایسا ہونے کی دلیل مشاہدہ اور تجربہ ہے۔

پھر محبوب کی یہ تجلی اور اس کی طرف توجہ ذاکر کے خیال اور وہم کو گم گشتگی اور وارفتگی بخشتی ہے۔ پھر یہ توجہ الی المحبوب ذہن میں اس حیثیت سے استقرار پکڑ جاتی ہے کہ ذاکر معشوق کا نام بھول کر معشوق کے جلوہ میں یعنی اس کی ذات کی یاد میں محو ہو جاتا ہے اور اس کے ماسوا کی طرف تہ دل سے ذرہ بھر التفات نہیں کرتا ہے

آسکے غیر میرے خانۂ دل میں کیسے
کہ خیال رخ دلدار ہے دربان اپنا

پھر جب اس توجہ میں استغراق قوی حاصل ہو جاتا ہے تو یہ توجہ ذاکر کی روح سے پیوست ہو جاتی ہے اور یہ بات درجہ بدرجہ ذکر کے مراتب میں ترقی ہونے سے حاصل ہوتی ہے اور مراتب ذکر میں ترقی شرائط کے ساتھ ذکر کی پابندی، اس راستے کے مؤیدات کا لحاظ اور موانع سے پرہیز اور مرشد سے ربط اور اس کی توجہات کی مدد سے حاصل ہوتی ہے ان مراتب ذکر اور ترقی کا سبب حقیقی حق تعالیٰ کا بندہ کو یاد فرمانا ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا۔

ذکر کے مذکورہ بالا تصرف سے روح و قلب کو نور و توجہ اور بیداری اور قوت حاصل ہو جاتی ہے روح کو اللہ تعالیٰ کا عشق تو عالم ارواح ہی سے حاصل تھا۔ صرف توجہ نہیں رہی تھی جب وہ حاصل ہو گئی تو اس وقت روح اپنے محبوب اور اپنی اصل سے وصال کے لئے بے قرار ہوتی ہے لیکن بشریت کا غبار اور کثافت اس کو وصال سے مانع ہوتا ہے اس لئے ناچار اقتضائے روحانی اور اقتضائے نفسانی کے درمیان کشمکش اور مزاحمت پیدا ہوتی ہے۔ اس سبب سے ذاکر میں شورش اور بے قراری

شدت وحدت، چہرے کی زردی، رونا اور اشکباری حاصل ہوتی ہے۔ بس اس کیفیت کا نام عشق ہے یہ کیفیت برابر بڑھتی رہتی ہے یہاں تک کہ بشریت اور ناآشنائی کا حجاب پھٹ جاتا ہے اور نفسانیت کا غبار پاش پاش ہوکر محبت کا ثمرہ مرتب ہو جاتا ہے اس وقت محبوب اس پر ترس کھا کر اپنے فضل وکرم سے اس حقیر ذرہ کو مقام قبولیت سے نواز دیتا ہے تو وہ ذاکر صاحبِ نسبت، صاحب یقین اور موحد ومخلص ہو جاتا ہے ؎

شعلۂ رخ دکھا کے اپنا ہمیں — سر سے پا تک ہلا دیا کس نے
عشق ومعشوق وعاشق اک کہکر — سرِ وحدت سمجھا دیا کس نے

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ کا ارشاد ہے کہ وصال محبوب حاصل ہونے میں جس قدر دیر ہوتی ہے اس قدر آتشِ شوق میں التہاب اور خواہش وصل میں زیادتی ہوتی رہتی ہے۔ طالب اگر استقلال ومردانگی سے جد وجہد کرے گا تو خدا کے فضل وکرم سے ظفرمندی وکامیابی کی امید ہے۔

اس کے بعد اب کیا ہوگا؟

؎ محبت انتہا میں مشکلیں آسان کرتی ہے
مگر اس فتنہ گر کی ابتداء مشکل سے ہوتی ہے

اب ذاکر کے تمام رذائل دور ہو جائیں گے کیونکہ عشق سے ام الامراض تکبر ختم ہو جائے گا ؎

ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شد — او ز حرص و عیب کلی پاک شد
شاد باش اے عشق خوش سودائے ما — اے طبیب جملہ علتہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما — اے تو افلاطون و جالینوس ما

اب ذاکر کو خشیت اور معیت الٰہی حاصل ہوگی اس سب ثمرات عشق کی تفصیل رسالہ محبت میں ملاحظہ ریں۔ یہاں صرف اتنا بیان کرنا مقصود تھا کہ اذکار واشغال کا اختیار کرنا ایک اہم امور بہ تعلق باللہ

یا نسبت احسان کے حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے اور شریعت میں جتنا اہتمام بالشان یہ مامور بہ ہے اتنی ہی اہمیت اس کے ذرائع کو حاصل ہے۔

بیعت ہونے والوں کیلئے قطب الاقطاب حضرت شیخ دامت برکاتہم کا طرز تربیت اور تزکیہ

جو حضرات اللہ کی رضا اور قرب کے لئے ایمان و یقین اور معرفت و احسان کے اعلےٰ مراتب حاصل کرنا چاہیں حق تعالےٰ شانہ ان کو اپنی معرفت بخشیں وہ احباب اس بات کا یقین کرلیں کہ حق تعالےٰ جل و علےٰ کی بارگاہ نہایت پاک اور ہر عیب سے غایت درجہ منزہ ہے اس لئے اس سے ملنے کا راستہ بھی پاکی اور پاکیزگی چاہتا ہے معصیتوں سے بھرا ہوا شخص اس بارگاہ کے لائق نہیں۔ بندہ کی مکمل اصلاح یا تزکیہ جو پاک بارگاہ کے لائق ہو وہ تو کسی کو کبھی حاصل نہیں ہوتا جس کو بھی وصولی یا نسبت حاصل ہوئی وہ اس ناقص حالت ہی میں مالک کے فضل سے ہوئی البتہ صرف اختیاری درجہ کی اصلاح کی حتی الوسع کوشش اور فکر میں ساری عمر لگے رہنے کی ضرورت ہے۔ لہٰذا سلوک کے لئے تہذیب اخلاق کی کوشش اور فکر ضروری ہوا۔ اخلاق کی درستگی اور صفائی معاملات کے بغیر معرفت اور بزرگی کا تو کیا ذکر عام دیندار مسلمان بھی نہیں کہلایا جاسکتا کیونکہ یہ فرض ہے اور ولایت و نسبت کا حصول تو اپنی عظیم فضیلتوں کے باوجود مستحب ہے۔ لیکن چونکہ اخلاق کا تعلق قلب ہی سے ہے اور غافل و زنگ آلود قلب کے ساتھ تہذیب اخلاق میں کامیاب ہونا بہت ہمت اور طویل مدت تک شدید مجاہدہ چاہتا ہے جس کا اب زمانہ نہیں رہا۔ اس میں خالی وعظ و نصیحت اور تحریروں سے بُرے اخلاق اور گناہوں کی بُرائی عقلی طور پر تو معلوم ہو جاتی ہے اور ان سے عقلی بغض حاصل ہو جاتا ہے لیکن گناہوں کی رغبت و محبت طبعی ہوتی ہے جو نفس کے زور کی وجہ سے عقل پر غالب آجاتی ہے اس لئے محض اصلاحی کوشش اور علاج کی تدابیر کی تعلیم زیادہ کامیاب نہیں ہوتی ہے

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد ۔۔۔ پر طبیعت ادھر نہیں آتی

اذکار و اشغال کرانے سے مالک حقیقی کا عشق پیدا ہو کر خلاف رضا باتوں اور حالتوں کا طبعی بغض

فہرست مضامین

پیدا ہو جاتا ہے جو گناہوں کی طبعی محبت کا مقابلہ کر سکتا ہے اور عقلی جذبات کو بھی تقویت ملتی ہے۔ اس طرح کوشش اور فکر والے کے لئے اپنی اصلاح آسان ہو جاتی ہے اِس بارے میں حضرت گنگوہیؒ کا ارشاد ہے کہ پہلے بزرگ اخلاق سیئہ کو چھڑانے کی محنتیں کرایا کرتے تھے تاکہ یہ کام (وصول الی اللہ) آسان ہو جائے مگر متاخرین خصوصاً ہمارے سلسلہ کے بزرگوں نے یہ طریق پسند کیا کہ ذکر کی اس قدر کثرت کرے کہ یہ اخلاق ذمیمہ ذکر کے نیچے دب جائیں اور ذکر تمام باتوں پر غالب آجائے ۱۲ لیکن جس ذاکر کو اپنی اصلاح کا فکر اور اہتمام ہی نہ ہو وہ ذکر کے باوجود رذائل میں مبتلا رہتا ہے۔ کیونکہ رذائل کے دور کرنے میں اپنے اختیار کو کام میں نہیں لاتا البتہ ذکر سے پہلے بہت زیادہ کوشش کی ضرورت تھی۔ پھر بھلا بوڑ کامیابی مشکل تھی اب تھوڑی سی توجہ کافی ہو جاتی مگر وہ ارادہ ہی نہیں کرتا۔ بلکہ ذکر سے پیدا شدہ عشقی کیفیات ہی کو مقصود سمجھ کر اور اپنی بزرگی پر مطمئن ہو کر اپنی اصلاح سے بالکل ہی بے فکر ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنی بندگی کے لئے پیدا فرمایا ہے عشق کی محض نَہا کی مستی اور خونخواری کے لئے پیدا نہیں فرمایا۔ معرفت و عشق کا یہاں مطلب و مقصد ہی ارادۂ طاعت علیٰ وجہ الکمال ہے۔ احسان کا بھی یہی مطلب ہے کہ عبادت اتنے خلوص اور ایسے اچھے طریقے سے کرے جیسا کہ مالک تعالیٰ شانہ کے سامنے ہونے کی حالت میں کرتا۔ اور یہ بات بغیر کیفیت حضوری کے حاصل نہیں ہوتی۔

لہٰذا ہمارے حضرت اقدس شیخ دامت برکاتہم نے بہت اعلےٰ اور اشرف طریقہ اختیار فرمایا جو اِس دور میں بہت مناسب اور حصول مقصد میں کامیاب ہے وہ یہ کہ بیعت کے بعد کچھ عرصہ مثلاً کم و بیش چھ ماہ تک ابتدائی معمولات کے پرچہ پر عمل کراتے ہیں جس سے اصلاحِ عقائد، اصلاحِ اخلاق اتباعِ سنت ذوقِ عبادت اور صفائی معاملات وغیرہ جملہ دینی امور فرض کے درجہ میں حاصل ہو جاتے ہیں یا کم از کم سالک اس کی کوشش اور فکر میں لگ جاتا ہے اِس پرچہ کے متعلق اِس رسالہ کے باب اول فصل ۱۲ میں تفصیل گذر چکی ہے۔

پرچہ کے مندرجات پر عمل کرنے میں حضرت شیخ سے ملاقات اور خط و کتابت سے رکھی جاتی ہے۔ حضرت طالب کی رہنمائی فرماتے رہتے ہیں۔ پھر بعض تو اتنے ہی پر اکتفا کرتے ہیں اور بعض طالب جن

میں مزید ترقی کا شوق اور قوت ہو ان کو سلوک کے اذکار و اشغال تلقین فرما دیتے ہیں۔ اس طرح تہذیب اخلاق اور تعلق باللہ کی تدابیر کو ساتھ ساتھ عمل میں لایا جاتا ہے۔

اذکار و اشغال میں حسب قوت و حالات اختصار ہی کو اختیار فرماتے ہیں اور بعض دفعہ بغرضِ سہولت کچھ ذکر ایک سلسلہ کا اور کچھ بطور معاون دوسرے طریقہ کا شغل تعلیم کر دیا جاتا ہے۔ اس لئے ہم اگلی فصل میں چاروں سلسلوں کے مکمل اذکار و اشغال درج نہیں کریں گے بلکہ صرف ابتدائی اور مختصر وہی اذکار درج ہوں گے جن کو حضرت اقدس ابتداء میں تعلیم فرماتے ہیں یہی اس رسالہ کا اصل موضوع ہے اور آج کل عام طور پر زیادہ کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ کیونکہ قوی کمزور ہو گئے ہمتیں پست ہو گئیں۔ مشاغل اور ضروریات زیادہ ہو گئیں۔ اوقات میں برکت نہیں رہی۔ قرب قیامت ہے جس میں تھوڑا سا کام بھی زیادہ کے قائم مقام ہو جاتا ہے اور تھوڑی کوشش پر کامیابی ہو جاتی ہے جیسا کہ حدیث پاک میں آخر زمانے کے متعلق آیا ہے کہ اس وقت کوئی دسواں حصہ دین کا کام کرلے تو پچاس صحابہ کے عمل کرنے کا ثواب پاتا ہے (مشکوٰۃ ص۳۳) غور کریں کہ آج کل بیت اللہ شریف تک پہنچنا کتنا آسان ہو گیا ہے کہ پہلے تو دُور کے ملکوں سے مکہ مکرمہ تک حاضری کے لئے پیدل اور اونٹوں پر مہینے اور برس لگتے تھے اب ہزاروں میل سے دو تین گھنٹے میں اللہ کے گھر پہنچ جاتے ہیں اسی طرح اللہ جل شانہٗ تک پہنچنا بھی آسان ہو گیا ہے کہ اللہ کی رحمت بہانہ ڈھونڈتی ہے تھوڑی سی توجہ اور مانگ پر دھواں دھار برستی ہے ؎

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال ؛ کہ آگ لینے کو جائیں پیغمبری مل جائے

حبیب خدا رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث پاک میں آج کل کے دسویں حصے عمل کو جو پچاس کے برابر فرمایا گیا اس حساب سے دو سو کی مقدار ایک لاکھ کے برابر ہوئی۔ اس لئے آج کل ذکر میں بھی لاکھوں کی مقدار کی بجائے چند تسبیحات ہی کافی ہو جاتی ہیں۔ البتہ لگن اور دھن کی ضرورت ہے اللہ رب العزت سے خصوصی تعلق جیسی عظیم دولت کے حصول کے لئے اگر زیادہ محنت کی طاقت نہیں تو دل میں عظمت و شوق سے تھوڑا ہی کام کرے مگر ہاں یہ ٹھان لے کہ

جس گل کو دل دیا ہے جس پھول پر فدا ہوں
یا وہ بغل میں آئے یا جاں قفس سے چھوٹے

پھر دیکھو مختصر ذکر شغل کیا رنگ لاتا ہے۔ اب اگلی فصل میں مختصر اذکار مطالعہ کریں اور شوق وذوق سے ایسے شیخ سے ذکر حاصل کریں جس کے اخذ کا سلسلہ واجازت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک مسلسل ومتصل ہو کیونکہ اس کی تلقین کی برکت اور اثر جدا ہے۔ یہی تحقیقی ذکر کہلاتا ہے جو مرید کے باطن میں تصرف کرتا ہے اور ولایت وقرب کے مرتبہ تک پہنچاتا ہے ورنہ سنا سنایا اور کتاب سے دیکھا ہوا ذکر تقلیدی ذکر کہلاتا ہے جس کا وہ اثر نہیں۔

فصل نمبر ۱ سلسلہ عالیہ چشتیہ کے اذکار واشغال

حضرات چشتیہ کا ذکر دوازدہ تسبیح (بارہ تسبیح)

حضرت حافظ ضامن شہید قدس سرہٗ سے کسی نے عرض کیا، کہ حضرت بارہ تسبیح بتا دیجئے۔ حضرت خفا ہو کر فرمانے لگے کہ ساری عمر میں ایک یہی چیز تو حاصل ہوئی۔ وہی تجھے بتا دوں! میاں جس طرح ہم کو ناک رگڑ کر ملی ہے اس طرح تم بھی ناک رگڑو۔ جب جی چاہے گا بتا دیں گے۔ تم چاہتے ہو مفت سفت میں دولت حاصل ہو جائے۔ حضرت خواجہ مجذوب فرماتے ہیں ؂

مئے یہ ملی نہیں یوں ہی — دل و جگر ہوئے ہیں خون
کیوں میں کسی کو مفت دوں — مئے میری مفت کی نہیں

(معارف الاکابر)

حضرت مرشدی دامت برکاتہ ابتداء میں یہ ذکر تلقین نہیں فرماتے بلکہ ان کے چھپے ہوئے ابتدائی معمولات کے پرچہ کی جس کے سولہ نمبر ہیں پابندی کرنے کا ارشاد فرماتے ہیں۔ کم از کم چھ ماہ بعد طالب میں استقامت، شیخ سے ربط اور شوق، دماغ میں قوت، اوقات میں فراغت اور

مزید طلب اور سلامتی فہم کا انداز کر کے تعلیم فرماتے ہیں۔ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے یہاں تو عامی آدمی کو ذکر تلقین کرنے میں اور بھی سختی تھی۔ کیونکہ یہ اذکار تزکیہ کے لئے ہیں ان کی مثال مسہل کی سی ہے کہ اگر بیچ میں روک دیا جائے تو زیادہ نقصان کا باعث ہو جاتا ہے اس لئے ذکر شروع کرنے کے بعد چھوڑ دینے یا لاپرواہی برتنے یا کبھی احوال پیش آنے پر شیخ کے ساتھ توحید مطلب ربط کامل اور انقیاد تام نہ رہنے کی صورت میں کئی طرح کے دینی نقصان ہو جاتے ہیں (ان نقصانات کی تفصیل رسالہ محبت ص۲۰ میں ملاحظہ کریں)

لہٰذا اپنے شیخ کی تجویز و اجازت کے بغیر ہرگز شروع نہ کرے اور اسی سے بالمشافہ طریقہ بھی سیکھے۔ اللہ پاک کی یاد اور افضل الذکر نفی اثبات کے فضائل تو میرے آقا و مرشد کے رسالہ فضائل ذکر میں پڑھ کر شوق پیدا کریں۔ یہاں جو طریقہ اور ترتیب لکھی جائے گی اس سے مقصد تزکیہ اور حصول نسبت ہے لیکن طریقہ خود مقصود اور باعث ثواب نہیں گو ذریعہ مقصود ہونے کی وجہ سے اس میں بھی ثواب ملے گا کیونکہ حصول نسبت کے لئے طریقہ، ترتیب اور شرائط کا لحاظ ضروری ہے۔

طریقہ اور ترتیب سے حصول مقصد کی توضیح

(ماخوذ از رسالہ شریعت و طریقت کا تلازم)

اس میں پہلے دو تسبیحات لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی۔ پھر چار تسبیحیں اِلَّا اللّٰہُ کی۔ پھر چھ تسبیحیں اللّٰہُ اللّٰہُ کی، آخر میں ایک تسبیح اسم ذات مجرد اللّٰہ کی ہیں۔

اس ذکر سے مقصود فنائے علمی غیر اللہ اور توجہ الی اللہ میں تدریجاً ترقی کرنا ہے۔ چنانچہ ابتداء میں کثرت مشہود ہوتی ہے۔ اس لئے لا الٰہ الا اللہ سے اس مشہود (ماسوا) کی نفی کر کے اس کو راسخ کیا۔ پھر جب اس نفی میں ایک درجہ گویا کامیابی ہو گئی تو محض ثبوت ذات پاک کو ذہن میں راسخ کرنے کے لئے اِلَّا اللّٰہ کا تکرار کیا۔ پھر ثبوت بھی ایک نسبت حکمیہ تھی۔ اس سے بھی نظر اٹھا کر صرف ذات کا تصور ذہن میں راسخ کرنے کے لئے اسم جلالہ کا تکرار کیا۔ جس کی مداولت سے قلب میں غیر مطلق

سے بے التفاتی اور حضرت مطلوب کی طرف خاص التفات میں ملکہ راسخ ہو کر پھر ذکر کامل کا حق ادا کر کے خوب مقصود حاصل کرتا رہے آخر ایک دن حقیقی ذکر یعنی ذاتی توجہ الی اللہ حاصل ہو جائے گی۔

(شریعت و طریقت کا تلازم)

ذکر سے عشق پیدا ہونے کی توضیح اور عشق کے ثمرات و اثرات کا مفصل حال رسالہ محبت میں ضرور ملاحظہ فرمائیں جس کے ذیل میں بہت سے اشکالات کا حل معلوم ہو جائے گا اور مختصر حال گذشتہ اوراق میں بھی گذر چکا۔

طریقہ

یہ ذکر ہمارے حضرت کے یہاں بارہ تسبیح ایک ہی دفعہ شروع کرانے کا ہے۔ لیکن اگر طالب کمزور ہو تو وہ دو تسبیح سے شروع کرلے پھر ایک ایک چلہ کے بعد اضافہ کرتا رہے۔ چنانچہ خود بندہ کو میرے مرشدِ مشفق نے پہلے صرف ایک ہی تسبیح تلقین فرمائی تھی، پھر عرصہ کے بعد سارے ذکر کو پورا کرنے کا حکم فرمادیا۔

بعد تہجد یا بعد فجر کسی بھی فراغت اور یکسوئی کے مقررہ وقت میں باوضو قبلہ رو بیٹھ کر اول درود شریف اور توبہ عجز و انکساری کر کے دعا کرے۔ اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ عَنْ غَیْرِكَ وَنَوِّرْ قَلْبِیْ بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ اور یہ خیال کرے کہ میں جتنی دیر ذکر کروں گا اتنی دیر اللہ کریم بھی اپنی خصوصی رحمت سے مجھے یاد فرمائیں گے کیونکہ فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ ان کا وعدہ ہے۔ اس خیال سے ذکر میں شوق و طمانیت پیدا ہوگی۔ پھر ۱۱ بار درود شریف ۳ بار قُلْ ھُوَ اللّٰہُ شریف پڑھ کر اپنے سلسلہ کے مشائخ کو ایصال ثواب کرے اور لمحہ دو لمحہ کے لئے خیال کرے کہ فیضانِ الٰہی میرے شیخ کے قلب سے میرے دل میں آرہا ہے اور میرا دل شیخ سے مربوط اور ان کے مقابل ہے۔

پھر چار زانو بیٹھے، کمر کو سیدھی رکھے اور خوب اطمینان اور تعظیم کے ساتھ خوش الحانی سے ذکر شروع کرے۔ (تعظیم کا یہ مطلب ہے کہ اس ذکر سے رضائے حق کے علاوہ دوسرا مقصد نہ ہو) اپنے سر کو قلب کی

طرف تھوڑا سا جھکا کر کلمہ لَا کو قوت و مَد کے ساتھ دل سے کھینچ کر اور اِلٰہ کو دائیں مونڈھے پر لے جا کر سر کو پشت کی طرف مائل کر کے تصور کرے کہ دل سے ہر غیر اللہ کو نکال کر پس پشت ڈال دیا پھر سانس کو چھوڑ کر لفظ اِلَّا اللّٰہ کی ضرب دل پر لگائے اور تصور کرے کہ عشق الٰہی اور نور کو دل میں داخل کیا اسی طرح نفی اثبات ۲۰۰ بار کرے بیچ میں دس گیارہ بار کے بعد مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کہتا رہے۔ اس کے بعد لمحہ بہ لمحہ کے لیئے آنکھیں بند کر کے خیال کرے کہ فیضان الٰہی عرش سے میرے سینہ میں آرہا ہے۔

ذاکر اگر قوی ہو تو متوسط آواز سے مگر شدت و قوت کے ساتھ قلب پر ضرب لگائے اگر ضعیف ہو تو قلب پر ہلکی ضرب لگائے۔ پھر چار سو بار اِلَّا اللّٰہ کی ضرب قلب پر مادم مارے۔ پھر لمحہ دو لمحہ فیض آنے کا تصور کرے (قلب کی طرف فیض آنے کا خیال کرنے سے فیض ضرور آتا ہے مگر فیض یعنی اثر اور نور آنے کا محسوس ہونا ضروری نہیں۔)

پھر اسم مبارک اللّٰہ اللّٰہ کا اضافہ کرے اس طرح سے کہ اوّل حرف ھا لفظ اللّٰہ کو پیش (اَللّٰہُ) اور دوسری ھا لفظ اللّٰہ کو ساکن (اَللّٰہْ) کرے یعنی جزم دے۔ آنکھیں بند کر کے اور سر کو داہنے مونڈھے پر لا کر لفظ مبارک اَللّٰہُ اَللّٰہ کی دونوں ضربیں دل پر مارے اور اس کو مادم چھ سو بار کرے بیچ میں کسی وقت اَللّٰہُ حَاضِرِی، اَللّٰہُ نَاظِرِی، مَااللّٰہُ مَعِیْ بھی کہہ لے۔ اس کے بعد صرف اللّٰہ ھا ساکن سو بار دل پر ضرب کرے۔ اس ذکر کو مرشد اپنے سامنے بٹھا کر سکھلائے۔ پہلے مُرشد کرے۔ پھر طالب سے سُنے کچھ غلطی ہو تو اصلاح کر دے۔ کچھ عرصہ بعد اگر ذکر میں اضافہ کا شوق ہو اور دماغ میں قوت ہو تو شیخ کی اجازت کے بعد آخری تسبیح اسم ذات مجرد میں ایک ہزار۔ تین ہزار اور چھ ہزار حسب شیخ تجویز کرے اضافہ کرے۔

ذکر نفی اثبات کا چھوٹا نصاب

حضرت مرشدی دامت برکاتہم کے معمول میں نفی اثبات کا ایک مختصر نصاب بھی ہے۔ اس میں مذکورہ بالا طریقہ کے مطابق پہلے دو تسبیح نفی اثبات پھر پانچ تسبیح اسم ذات مجرد کیا جاتا ہے پھر اسی اسم ذات میں

حسب ارشاد مرشد اضافہ کرتا رہے۔

ملفوظات متعلقہ نفی اثبات

۱۔ شروع میں جو لکھا کہ دس بار کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہے اس میں دس کے عدد کی پابندی اگر بلا تکلف ہو سکے تو اچھا ہے۔ ورنہ جتنی بار کے بعد چاہے کہہ لے۔ اسی طرح جملہ شرائط ہیئت وحرکت وغیرہ کو شروع ہی میں اچھی طرح سیکھ کر مشق کر لے لیکن پھر ہمیشہ ان قیودات کی طرف خصوصی توجہ نہ کرے۔ تاکہ حضور اور مطلوب کی طرف توجہ اور محویت میں کمی نہ آئے۔ اسی طرح اگر کوئی پرانا ذاکر مخارج کی ادائیگی یا متعرہ ہیئت وحرکت کے خلاف کچھ کمی زیادتی کرتا ہو تو اس کو نہ ٹوکے۔

۔ ذکر کے لئے وہ وقت مقرر کرے جس میں نہ تو پیٹ بھرا ہو نہ بھوک لگی ہو نہ سخت نیند کا غلبہ ہو۔ البتہ وساوس کے ہجوم کی پرواہ نہ کرے کیونکہ ان کا علاج تو پرواہ نہ کرنا اور ذکر کرنا ہی ہے۔ اس صورت میں لذت کم آئے گی جو کہ مقصود نہیں لیکن ثواب زیادہ ملے گا۔

· گفت قطب شیخ گنگوہی رشید ذکر را یابی بہ ہر حالت مفید

(اختر)

۳۔ ذکر کا وقت قریب آنے پر ذوق شوق سے انتظار اور تیاری کرے اگر دل سے نہ ہو تو تکلف ہی سے کرے۔ سہولت ہو تو غسل کرے خوشبو لگائے۔ اس وقت اگر خفیہ دشمن (شیطان) کوئی ضروری کام یاد دلائے تو غصہ سے ان کاموں کو پس پشت ڈال دے ہاں اگر اتفاقا کوئی ضروری اور مختصر کام سامنے آجائے اس سے فراغت ضروری ہو تو اس کو جلد نمٹا کر فارغ ہو جائے تاکہ ذکر میں وہ بار بار یاد آ کر باعث تشویش نہ بنے۔

۴۔ عشق مجازی میں گرفتار کے لئے حضرت شیخ دام مجدہم اللّٰہ اللّٰہ کی چھ تسبیح میں لا کے پیش مہمل (ہوا ردو والا) تلقین فرماتے ہیں۔ اگر وساوس نہ ہوں تو لا کا پیش معروف ہوگا جیسے اردو میں ہو پڑھتے ہیں۔

۵۔ ہمارے حضرت کے ہاں بیماری اور سفر تو عذر میں داخل ہیں اس کی وجہ سے ذکر کی تعداد اور

جملہ شرائط میں ناغہ اور کمی ہو سکتی ہے۔ بیماری میں تو چاہے زبان بھی نہ ہل سکے اللہ کی طرف دھیان رہنا نسبتاً آسان ہوتا ہے بلکہ یہی حقیقی ذکر ہے اور دنیاوی مشغولی عذر نہیں اس سے تو انسان کبھی فارغ نہیں ہو سکتا۔ مشغولی میں کھانا بھی تو کھاتا ہے اگر چاہے تو ایک وقت کا کھانا چھوڑ کر وقت نکل سکتا ہے۔ جس طرح کھانا جسم کی غذا ہے اسی طرح ذکر روح کی غذا ہے اور سے

تیرا ہی دل نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

انسان کی اصلی ضروریات بہت کم ہیں۔ باقی فضول اور وہمی ضروریات کی کوئی حد نہیں۔ کسب حلال میں مشغولی کا فرض ہونا صرف بقدر ضرورت ہے ضرورت سے زائد اگر کسب جائز ہو تو مباح ہے۔ جس میں ذکر کی خاطر کمی کر لے۔ اور کسب میں اس کمی کرنے سے مقدر میں کمی نہیں ہو گی بلکہ مزید برکت ہو گی۔

۲۔ اہم ملحوظہ:- اگر ما سوا خدا کے کسی سے خاص تعلق ہو یا کوئی بڑی عادت خاص طور پر دل میں جگہ پکڑ لے تو اس ذکر نفی اثبات میں اس شئی کی نفی کرے مثلاً مال کی محبت ہے تو اس کو دور کرنے کے لئے طریقہ مذکور کے مطابق لَا اِلٰہَ کہتے وقت یہ تصور کرے کہ میں نے مال کی محبت دل سے نکال کر پھینک دی اور اِلَّا اللہ کہتے وقت یہ تصور کرے کہ اللہ کی محبت دل میں داخل کی۔ ذکر کرنے کے بعد اپنی زندگی کے اختیاری کاموں میں اس بات پر خیال رکھے

نوٹ:- میں نے مسح مال کی محبت نکالنے میں دو سو مرتبہ کوشش کی تھی اور دعا بھی کی تھی۔ پھر مال و جاہ بڑھانے کے اختیاری کاموں میں حسب ہمت کمی کرتا جائے۔ کیونکہ سید الطائفہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ دنیا (مال و جاہ) کی محبت کے ساتھ اگر ہزار برس بھی ذکر کرے تو نفع نہیں ہو گا حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کا کلمہ اللہ کی ناراضگی سے بندوں کو محفوظ رکھتا ہے جب تک دنیا کی تجارت کو آخرت کی تجارت پر ترجیح نہ دے اور جب دنیا کی تجارت کو آخرت کی تجارت پر ترجیح دینے لگیں تو پھر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہیں تو وہ کلمہ ان پر لوٹا دیا جاتا ہے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو تمہارا اقرار جھوٹا ہے محض زبانی جمع خرچ ہے۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ کی گواہی سے

ساتھ اللہ جلّ شانہٗ سے ملتا ہے وہ (سیدھا) جنت میں داخل ہوتا ہے جب تک کہ اس کے ساتھ دوسری چیز کو خلط نہ کرے۔ تین مرتبہ حضور نے اپنا یہ ارشاد فرمایا۔ مجمع میں سے ایک شخص نے عرض کیا۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان دوسری چیز خلط کرنے کا کیا مطلب ہے؟ حضور نے فرمایا۔ دنیا کی محبت اور اس کی ترجیح اس کے لئے مال جمع کرنا اور دنیا کی چیزوں سے خوش ہونا اور متکبر لوگوں کا سا عمل۔ (ماخوذ از فضائل صدقات)

اگر کوئی طاقت کی دوا تو روزانہ کھائے پھر بعد میں الٹی کر دیا کرے تو اس کا نتیجہ ظاہر ہے۔ حضرت شیخ الحدیث دام مجدہم مظاہر حق سے نقل فرماتے ہیں کہ بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جو شخص دنیا کو محبوب رکھتا ہے۔ سارے پیر و مرشد مل کر بھی اس کو ہدایت نہیں کر سکتے اور جو دنیا کو ترک کر دیتا ہے سارے مفسد مل کر بھی اس کو گمراہ نہیں کر سکتے۔

ذکر نفی اثبات کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ دل سے غیر اللہ کو اکھیڑ پھینکے اور اللہ کی محبت کو جمائے۔ دل کو غیر اللہ سے خالی کرنے کا نام تزکیہ ہے اور اللہ جل شانہٗ سے وابستہ کرنے کا نام وصول ہے۔ دل جب غیر اللہ سے منقطع ہوگا تب ہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ ہوگا۔

نوٹ ۱ بزرگوں کا ارشاد ہے کہ آخرت میں بوجہ شرافت کے غیرت ہے اور دنیا میں بوجہ رذالت کے بے غیرتی ہے جس گھر (دل) میں دنیا ہوتی ہے آخرت اس میں ہرگز نہیں جانا چاہتی اور جس گھر میں آخرت ہوتی ہے دنیا اس میں بھی گھسنا چاہتی ہے۔ لہٰذا کسی کو بھی اس سے بے فکر نہیں ہونا چاہئے کہ میرے دل میں دنیا نہیں۔ حضرت مرشدی دام مجدہم تحریر فرماتے ہیں کہ مالدار آدمی کو اکثر یہ دھوکا لگتا ہے کہ وہ اپنے کو یہ سمجھنے لگتا ہے کہ مجھے مال سے محبت نہیں ہے لیکن یہ بڑی لغزش اور دھوکہ ہے۔ درحقیقت اس کے دل میں محبت مرکوز ہوتی ہے جو اس کو محسوس نہیں ہوتی۔ (ہر چیز کا احساس تو اس کے مقابل کی موجودگی میں ہوتا ہے اگر تھوڑی سی بھی نفرت ہوتی تو محبت کا علم ہوتا۔ جس طرح سراپا متواضع کو اپنی تواضع کا علم نہیں ہوتا اور جو اپنے کو متواضع سمجھتا ہے۔ وہ اپنے اندر تکبر کی موجودگی ہی کی وجہ سے سمجھتا ہے) اس کو مال کی محبت کا احساس اس وقت ہوتا ہے

فہرست مضامین

جب وہ مال ضائع ہو جائے یا چوری ہو جائے اور جو شخص اس کا تجربہ کرنا چاہے وہ اپنے مال کو تقسیم کر کے تجربہ کرلے (تجربہ کرنے کے لئے ضائع ہونا تو بڑی بات ہے خیرات کر کے اپنے ہی لئے آخرت کے نفع بخش خزانہ میں بھیج کر دیکھ لے) اگر دل کو اس کے بعد اس کی طرف التفات ہو تو معلوم ہوگا کہ محبت تھی اور دل کو اس کا خیال بھی نہ آوے تو معلوم ہوگا کہ محبت نہ تھی۔ یہاں اس بات کا خیال رہے کہ مال ضائع ہونے پر بعض کاملین مشائخ کو بہت افسوس ہوتا ہے یہاں اس کی وجہ مال کی محبت نہیں ہوتی بلکہ اللہ پاک کی نعمت اور امانت کی لاپرواہی سے ناقدری اور حق تلفی کی مسئولیت کے خوف کی وجہ سے افسوس ہوتا ہے جیسا کہ کسی کی امانت ضائع کرنے پر امین متقی کو بہت افسوس ہوگا اور غیر متقی کو پرواہ بھی نہ ہوگی۔ حضرت اقدس کو دیکھا کہ مال کے ضائع کرنے پر بہت افسوس ہوتا ہے لیکن اللہ کی رضا میں خرچ ہو جانے پر بے حد مسرت ہوتی ہے جو خادم اس کا واسطہ ہوتا ہے اس کو بہت دعائیں دیتے ہیں یہی حال حبِّ جاہ والے کا ہے کہ وہ زبان سے کہتا ہے کہ مجھے کسی کی مدح و ذم کی پرواہ نہیں پھر اپنی مدح سُن کر پھول جاتا ہے اور مذمت خواہ غائبانہ ہو سُنکر تلملا اٹھتا ہے۔ اس مضمون کو اس لئے طول دیا کہ ذکر نفی اثبات کے مؤثر ہونے اور سلوک کا فائدہ ہونے میں اس شرط کو خاص دخل ہے۔

نوٹ ۲ :- غفلتوں اور امراضِ قلبی کی کثرت کی وجہ سے یہ کام دو چار دن کا نہیں پابندی سے ذکر کرتا رہے اور اپنی ہمت کے مطابق تدریج تعلق دنیا کے اختیاری امور میں کمی کرتا جائے۔ ہمت میں قوت کے لئے حضرت مُرشدی کی کتاب فضائل صدقات کو مطالعہ میں رکھے۔ حقیقی فقراء و زہاد کی صحبت اختیار کرے۔ اس سب کی توفیق اور اصلاح کے لئے زاری کے ساتھ اللہ سے مانگتا رہے۔

نوٹ ۳ :- اگر طالب اس ذکر کو اس کی جملہ شرائط جہر، ضرب شدت و قوت کے ساتھ ایک مدت تک پابندی کرے اور شیخ کی توجہ کو شامل حال رکھے تو مقصود کار تک پہنچنے کے لئے مزید کسی بھی شغل یا مراقبہ کی ضرورت نہ پڑے گی۔ اسی ایک ذکر سے حقیقی ذکر قلبی پیدا ہونا شروع ہو جائے گا اور اثبات ذکر کے علاوہ بھی یاد داشت کی کیفیت رہنا

شروع ہو جائے گی جس میں رسوخ پیدا کرنے کے لئے مراقبہ معیت کی تعلیم کی جاتی ہے۔

ضرب وجہر وغیرہ شرائط کے بغیر اس ذکر سے مطلوبہ کیفیت پیدا ہونا مشکل ہے اگر کسی عذر سے شرائط ذکر میں کمی رہی ہو تو اس کے ساتھ شغل پاس انفاس تلقین کر دیا جائے بعدہٗ مراقبہ کی طرف رغبت ہو تو مراقبہ دعائیہ بتا دیا جائے۔

پاس انفاس

حضرت مرشد پاک شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے کئی دفعہ بطور وصیت، بطور آرزو بہت بہت ہی توجہ سے ارشاد فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میرے دوست کثرت سے ذکر میں مشغول رہا کریں اور کوئی وقت بے کار نہ گذاریں۔ خود حضرت کی مبارک زندگی اس حالت کی شاہد عدل ہے حضرت کی ہمہ وقت مشغولی کے کئی حیرت انگیز اور عبرت آموز قصے بندہ کو یاد ہیں اور مشہور ہیں صرف ایک بزرگ کا کشف بیان کرتا ہوں کہ حضرت کی مشغولی کو دیکھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اُن کی یہ ادا بہت پسند ہے کہ کوئی وقت ضائع نہیں کرتے یہ ہمہ وقت مشغول رہنا حضرت کی طبیعت ثانیہ بن گئی ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ میرے بچپن میں میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ میرے سامنے اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے اور میں سمجھتا تھا کہ مجھے سُنا رہے ہیں ؎

تیرا ہر سانس نخل موسوی ہے ۔ یہ جزر و مد جواہر کی لڑی ہے

ارشاد السلوک میں ہے کہ اللہ تعالےٰ کی یاد طالبین محبین پر ہر حال میں فرض ہے۔ چنانچہ ابن عباس رضؓ نے ارشاد خداوندی فاذکروا اللّٰہ قیاما وقعوداً وعلی جنوبھم کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ خدا تعالےٰ کا ذکر کرو رات اور دن اور خشکی میں اور دریا میں اور سفر میں اور حضر میں اور تونگری میں اور فقر میں اور تندرستی میں اور مرض میں اور خفیہ اور علانیہ اور بعض صوفیاء نے فرمایا ہے کہ ہر فرض عبادت کی حق تعالےٰ نے کوئی حد کوئی حد اور انتہا مقرر فرمائی ہے اور عذر کے وقت معذور قرار دیا ہے مگر ذکر کی کوئی بھی حد نہیں اور

کوئی عذر بھی قابلِ سماعت نہیں ۱۲ (کیونکہ بیماری میں تو اعلےٰ درجہ کا ذکر ہوتا ہے بشرطیکہ تندرستی میں کچھ کمائی کر چکا ہو)

اللہ پاک سے ارشاد واذکرواللہ ذکراً کثیراً پر صحابہ کرام نے اِس درجہ عمل کیا کہ خود اللہ پاک ان کی حالت بیان فرماتے ہیں یذکرون اللّٰہ قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبھم یعنی وہ کھڑے بیٹھے ہر حالت میں اللہ کو یاد کرتے ہیں اور یہ بھی فرمایا ہے کہ کوئی دوسری مشغولی ان کو اللہ کی یاد سے مانع نہیں ہوتی ارشاد ہے لاتلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللّٰہ یعنی ان کو خرید وفروخت بھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی صحابہ کرام کی یہ حالت تو محض فیض صحبت فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کرشمہ تھی۔ لیکن اَب پاس انفاس ایک ایسا شغل ہے کہ جس کی مشق کر لینے سے یہ مقصد بہت آسانی سے حاصل ہو سکتا ہے کہ کوئی سانس بھی بغیر ذکر اللہ کے خالی نہ جائے اور کوئی طاقت بھی خرچ نہ ہو اور یہ شغل کسی دوسرے کام میں مانع بھی نہ ہو۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں باب صفۃ الجنۃ واھلھا میں طویل حدیث میں اہلِ جنت کے احوال ذکر کر کے لکھا ہے کہ وہ جنتی تسبیح وتحمید کا ایسا الہام کیئے جائیں گے جیسے بلا اختیار تمکو سانس آتا ہے۔ محشی نے مرقاۃ سے نقل کیا ہے کہ وہ حضرات تسبیح وتحمید سے نہ تھکیں گے جیسے تم سانس سے نہیں تھکتے اور جیسے سانس لیتے ہوئے دوسرے کاموں میں رکاوٹ نہیں ہوتی یا یہ مطلب ہے کہ ذکر ان کی صفت لازمہ بن جائے گا۔ جیسے سانس زندگی کے لئے صفت لازمہ ہے اِسی کے ذیل میں حضرات عارفین کا قول نقل فرمایا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص دنیا میں جنتیوں کی سی حالت بنالے گا اس کو آخرت کی جنت سے پہلے دنیا ہی میں ایک جنت (یعنی جنت کی حالت ومزا) حاصل ہوجائے گی اور اس کی یہ دنیاوی جنت آخرت کی جنت ملنے کا وسیلہ ہو گی اور آخرت کی جنت اِس دنیاوی جنت کا ثمرہ ہوگی۔ لہٰذا پاس انفاس کی اصل حدیث سے بھی ثابت ہو گئی۔ اِسی لئے علامہ انورشاہ کشمیری رحؒ فرما گئے کہ صوفیاء کے اشتغال میں پاس انفاس ظاہر شریعت کے قریب تر ہے۔

حضرت شیخ دام مجدھم اپنی کتاب شریعت وطریقت میں فرماتے ہیں کہ شفاء العلیل ص۵۷ میں لکھا ہے کہ طریقت کے بزرگوں نے کہا ہے کہ اس کا بڑا اثر نفی خطرات میں اور وساوس کے دور ہونے

میں ہے۔ چنانچہ کسی عارف نے فرمایا ہے کہ اگر تو پاس انفاس کا اہتمام کرے تو یہ تجھے بادشاہ (اللہ جل شانہٗ) تک پہنچا دے گا۔ اور ضیاء القلوب میں لکھا ہے کہ انسان کو ہر سانس میں ہوشیار رہنا چاہیئے اور بیدار رہنا چاہیئے اور بغیر پاس انفاس کی مدد کے انسان کا قلب کدورتوں اور تاریکیوں سے ہرگز پاک اور صاف نہیں ہو سکتا۔ چونکہ یہ ذکر قلب کو بالکل صاف اور کدورتوں سے پاک کر کے انوار الٰہیہ کا محبط بنا دیتا ہے اس وجہ سے اس کو اصطلاحِ صوفیاء میں جاروب قلب کہتے ہیں۔

حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ مکتوبات ج ۲ ص ۳۲ میں تحریر فرماتے ہیں کہ پاس انفاس سے اصلی غرض یہ ہے کہ انسان کا کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ رہے نہ اندر جانے والا سانس نہ باہر نکلنے والا سانس۔ انسان دن رات میں ۲۵ ہزار مرتبہ سانس لیتا ہے (ارشاد مرشد میں چوبیس ہزار لکھا ہے) سب کا سب ذکر سے معمور رہے عمر عزیز کا جو حصہ بھی ذکر میں گذرے وہی زندگی ہے اور وہی مفید ہے۔

پاس انفاس کی تعلیم و تجویز

شریعت و طریقت کے تلازم میں حضرت شیخ دام مجدہم تحریر فرماتے ہیں کہ پاس انفاس جس کے مختلف طریقے ہیں جو مشائخ سلوک کے یہاں متعارف ہیں۔ عمل تو اپنے شیخ کی تجویز پر کرنا چاہیئے لیکن اتنا سب میں مشترک ہے کہ ہر سانس کے ساتھ اللہ کا ذکر ہو (خواہ نفی اثبات یا اسم ذات وغیرہ)

ہم یہاں ایک عام اور سب سے آسان طریقہ بیان کرتے ہیں اور اس کو دو مراحل پر تقسیم کرتے ہیں۔ تاکہ مرحلہ بمرحلہ مشق کر کے سہولت سے ترقی کرے۔

پاس انفاس کے طریقہ کا پہلا مرحلہ

لفظ مبارک اللہ کو سانس کے ساتھ اوپر کھینچے اور لفظ ھُو کے ساتھ سانس چھوڑ دے یعنی سانس لینے میں ذرا سی حرکت کے ساتھ بغیر زبان ہلائے لفظ اللہ کا خیال کرے اور سانس واپس

کرنے میں ھُو پیدا ہوتے کا تصور کرے۔ اس کو سیکھنے اور سکھلانے کے وقت تو سانس زور سے لیا جاوے گا۔ مگر طریقہ سمجھ لینے کے بعد سانس کو اپنی طبعی حالت میں رکھنا چاہیئے۔ اگر طالب بالکل ساد اور خالی الذہن ہو اور لذتِ ذکر سے بالکل ناآشنا ہو تو مرشد کو چاہیئے کہ اس کو اپنے سامنے مؤدب بٹھا کر سر جھکا کر اپنے سینہ کو شیخ کے سینہ کے مقابل کرنے کو کہے۔ پھر طریقہ پاس انفاس تعلیم کرنے کے بعد شیخ خود پاس انفاس میں اس طرح مشغول ہو کر مرید کے سانس کے ساتھ سانس لے جب وہ سانس باہر نکالے تو یہ بھی نکالے۔ اس عمل سے شیخ کے ذکر کا اثر مرید پر پڑ گیا اور اس کو طریقہ جلد سمجھ آجائے گا۔

نوٹ:- جیسا کہ اوپر لکھا کہ پاس انفاس کے مختلف طریقے ہیں طریقہ مذکور کہ اللہ مبارک اللہ کو سانس کے ساتھ اوپر کھینچے اور ھُو کے ساتھ سانس چھوڑ دے۔ اسی طرح حضرت گنگوہی رحؒ نے حضرت سہارنپوری کو سکھایا اور اس طرح حضرت اقدس شیخ دام مجدہم تعلیم فرماتے ہیں۔ یہی طریقہ حضرت حاجی صاحب رحؒ کی کتاب ارشادِ مرشد میں ہے اور عام طور پر لوگ اسی طرح سانس لیتے ہیں کہ پہلے سانس اندر لیتے ہیں پھر باہر نکالتے ہیں۔ اس وجہ سے یہ طریقہ آسان بھی ہے۔ لیکن ضیاء القلوب میں اس کی ترتیب دوسری ہے کہ سانس باہر کرتے وقت لفظ اللہ کو سانس میں لائے اور سانس لیتے وقت جسم کو اندر لائے یہ ترتیب بھی کچھ مشکل نہیں۔ صرف ایک دفعہ تکلف سے سانس باہر کرتے وقت اللہ کا تصور کرے۔ یعنی خصوصی طور پر سانس لینے کے بغیر بھی کچھ نہ کچھ ہوا پھیپھڑے میں ہوتی ہے بس اسی کو ایک دفعہ لفظ اللہ کے تصور کے ساتھ باہر نکالے پھر ھُو کے تصور کے ساتھ سانس اوپر یعنی اندر لے جائے۔ اس طرح سانس کی ترتیب بدل جائے گی پھر یہی عادت ہو کر یہ بھی طریقہ اول کے مثل آسان معلوم ہوگا باقی شغل کا مقصد ہر دو طریق سے حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کو شروع میں چند منٹ مثلاً ۱۵ منٹ کسی یکسوئی کے مقررہ وقت میں کرے پھر تدریج بڑھاتا رہے۔ نمازوں کے انتظار میں اور جب بھی وقت ملے کرتا رہے۔ حتیٰ کہ ہر وقت کا یہ شغل ہو جائے اور دنیا کے کاموں میں مشغولی کے وقت بھی چلتے پھرتے جاری رکھے۔ رات کو سوتے وقت کرے گا تو یکسوئی حاصل ہو جانے کی وجہ سے نیند

فہرست مضامین

بھی جلد آ جائے گی اور ذاکر کو جلد سُلانے کے لئے شیطان بھی پاؤں دباتا ہے۔ گو کامل مخلصین سوتے اور جاگتے دونوں حالتوں میں ترقی کرتے ہیں۔

ملحوظہ ۱:- نماز کی حالت میں اس شغل کو قصداً نہ کرے بلکہ ذات پاک کے سامنے کھڑا ہونے ہی کی طرف توجہ رکھنے کی کوشش کرے اگر نماز میں (خصوصاً امام کے پیچھے) خود بخود ہوتا رہے تو مضائقہ نہیں۔ چلہ دو چلہ کے بعد جب یہ شغل ہر حالت میں ہر وقت بلا قصد ہونا شروع ہو جائے تو اپنے شیخ کو اطلاع کرے وہ مناسب سمجھیں گے تو دوسرے مرحلہ کی تعلیم کریں گے ورنہ یہی کافی ہوگا اور ہمارے حضرت اکثر اتنا ہی بتلاتے ہیں۔

ملحوظہ ۲:- مشق ہونے کے بعد یہ شغل ہر وقت گہری سوچ و فکر پریشانی اور سخت مشغولیتوں میں بھی انشاءاللہ جاری رہے گا۔ مگر شروع میں ایسا ہو جانا سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر غور کیا جائے تو مشق اور غیر مشق کا فرق ہر چیز میں ظاہر ہے۔ مثلاً جس نے لکھنا نہ سیکھا ہو اور لکھنے کی مشق نہ کی ہو تو اس کو لکھا ہوا دیکھ کر نقل کرنا گو ممکن ہے مگر کئی گھنٹوں میں ایک سطر لکھے گا وہ بھی بدصورت اور کئی غلطیاں اس میں رہ جائیں گی۔ پھر یہی شخص جب مشق کر لے گا تو ہر مشغولی میں تیز تیز صحیح لکھ لے گا۔ صرف ہاتھ فارغ ہونا چاہیئے حالانکہ قصد اور دماغ کی اس وقت بھی ضرورت ہے کہ حروف پر کہاں کہاں کتنے نقطے اور شوشے لگانے ہیں وغیرہ۔ مگر مشق کی وجہ سے خود کو بھی محسوس نہیں ہوگا کہ میں سوچ سوچ کر لکھ رہا ہوں۔

نوٹ:- مشق کرنے کے دوران میں کچھ وقت تو بالکل یکسوئی کا ضروری ہے۔ باقی اوقات میں جتنا ہو سکے ذہن کو اس طرف لگائے رکھنا ہوگا، مثلاً بازاروں میں چلتے پھرتے۔ دوکان پر بیٹھے ہوئے۔ مجالس میں شرکت وغیرہ۔ غرض جہاں کسی کام میں خاص طور پر ذہن کو مشغول کرنے کی ضرورت نہ ہو وہاں تو شروع میں بھی محض ادنیٰ توجہ سے یہ شغل جاری رہے گا اور غفلت نہیں ہوگی اور جس کام میں خود بات کرنے اور ذہن کو اس طرف خاص طور پر متوجہ کرنے کی ضرورت ہو وہاں اتنی دیر غیر مشاق سے یہ شغل نہیں ہو سکے گا۔

یہاں یہ مسئلہ معلوم ہونا چاہیئے کہ جو شغل دینی ہو یا شریعت کے احکام کی رعایت رکھتے ہوئے دنیاوی امور ضروریہ میں ہو۔ اس مشغولی کا وقت غفلت میں شمار ہی نہیں ہوتا بلکہ ذکر ہی میں شمار ہوتا ہے۔ (ذکر میں شمار ہونے کے متعلق آخر میں مفصل بیان ہے) بشرطیکہ اس مشغولی میں اخلاص شامل ہو اور پورا اخلاص بغیر احسان اور عشقی کیفیت کے حاصل نہیں ہوا کرتا۔ اگر کبھی وقتی طور حاصل بھی ہو تو جب بھی کسی غیر اللہ کی محبت چاہے مال ہو چاہے جاہ ہو۔ یا نفسانی خواہش اور غیر اللہ کے لحاظ کا غلبہ ہوا تو وہ ختم ہو جاتا ہے۔ اور اکثر اس وقتی اور کمزور اخلاص کا ختم ہو جانا محسوس بھی نہیں ہوتا۔ شریعت میں اللہ کریم کی رحمت اور دین میں ہر شخص کے لئے آسانی کے پیش نظر اخلاص کا ادنیٰ درجہ یعنی نیت کا خالص ہونا تو ہر عمل کے لئے شرط ہے انما الاعمال بالنیات اور اس خلوص کا اعلیٰ درجہ جو کیفیت احسانی سے متعلق ہے مستحب ہے۔ اسی کے حصول کے لئے تمام اشغال اختیار کئے جاتے ہیں تاکہ خلوص نیت بہت مضبوط اور دائمی ہو جائے تاکہ پھر کوئی مشغولی خالص للہ ہونے کی وجہ سے غفلت میں شمار نہ ہو...... اس چیز کے بغیر دنیاوی شغول سے زیادہ دینی مشغولی میں خطرہ ہے کیونکہ دنیاوی جائز مشغولی بغیر خلوص کے تو صرف غفلت شمار ہو کر ثواب سے محرومی کا باعث ہوگی اور دینی مشغولی اگر غیر اللہ کے لئے (خواہ مال کے لئے خواہ جاہ کے لئے) ہوگی تو اس کا شمار حسب درجہ اس کی آمیزش معصیت ہوگی۔ لہٰذا خدمات دینیہ میں مشغول حضرات کو اس چیز کے حصول کی طرف زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب تک اس درجہ کا خلوص و احسان حاصل نہ ہو دینی خدمات ترک کی جائیں۔ کیونکہ دینی مشاغل سے جو دوسروں کو نفع پہنچتا ہے تو کسی مخلص کی دعا لگ جاتی ہے یا کبھی نہ کبھی وہ علم خود ہی اس راستے پر لے آتا ہے بشرطیکہ تکبر نہ ہو۔

پاس انفاس کا دوسرا مرحلہ

اندر جانے والے سانس کے ساتھ جب اسم مبارک اللہ کا خیال کرے تو ساتھ ہی ھوالباطن کو بھی ملالے اور باہر آنے والے سانس میں جب ھُو کا خیال کرے تو ھوالظاھر کو بھی دھیان میں

لائے یعنی اس سے یہ تصور بندھ جائے کہ طالب کے ظاہر و باطن میں وہی ذات پاک اللہ ہی اللہ ہے اتنی بات جب قابو میں آجائے تو کبھی کبھی خیال کرے کہ جس طرح عالم اصغر (انسانی جسم) کے اندر و باہر اسی ذات کا ظہور ہے اسی طرح تمام مخلوقات کے ظاہر و باطن میں انہیں اسماء مبارکہ **ھوالظاھر ھوالباطن** کا جلوہ ہے۔

(ماخوذ از ضیاء القلوب و مکتوب حضرت گنگوہیؒ بنام حضرت سہارنپوریؒ)

اس کی خوب مشق ہو جانے کے بعد مذکورہ بالا شغل کیلئے خصوصی توجہ اور قصد کی ضرورت نہ رہے گی۔ اس وقت اتنے کو بلا مشقت سنت سمجھ کر جاری رکھتے ہوئے اپنی توجہ کو اسم مبارک کی بجائے ذاتِ مقدسہ کی طرف کرے اس سے ذکر قلبی کے جریان کی نوبت پہنچ کر سلوک کی ترقی کا راستہ کھل جائے گا۔ اول تو یہ بات خود بخود پیدا ہونا شروع ہو جائے گی کہ اسم کو یاد کرنے سے مسمّٰی کی طرف توجہ ہو ہی جایا کرتی ہے کہ اسم مبارک ذات پاک سے الگ نہیں ہے۔ یہ مبارک اسم عالم الفاظ میں ذات پاک کی ایک تجلّی ہے اس وجہ سے ذاتِ مقدسہ کا دل پر کچھ کچھ ظہور ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہی ظہور یا نور عشق کا باعث ہو کر ہمہ تن ذاتِ مقدسہ کی طرف متوجہ کر دیتا ہے اور ماسوٰی سے فراموشی اور خلاصی کر دیتا ہے۔ گو یہ امر طالب صادق کو خود ہی حاصل ہو جاتا ہے لیکن اب طالب کے ادنیٰ اہتمام سے اس کی توجہ قلبی پوری طرح ذاتِ مقدسہ کی طرف آسانی سے ہو جائے گی۔

اس حالت کو وصل۔ مشاہدہ اور احسان کہا جاتا ہے۔ اب اسی حالت کو خوب پختہ کرتا رہے اور ہمیشہ اس میں مشغول اور محو رہے۔ اس دوران میں جو احوال اور خیالات پیش آویں فوراً اپنے شیخ کو مطلع کرتا رہے اور اپنے خیالات و احوال کی وجہ سے اتباع سنت اور شریعت کے عقائد و اعمال سے سرمو تجاوز نہ کرے ورنہ بجائے کسی نفع کے موجب ہلاکت ہوگا اور رضائے الٰہی کے سوا کسی حال اور لذت کو مقصود نہ بنائے نہ ہی اس پر توجہ کرے۔

جب اس شغل پاس انفاس کو درجہ بدرجہ اور آدابِ شرع کی پابندی اتباع سنت کے اہتمام اور تمام متعلقہ شرائط کے ساتھ شیخ کامل کی تجویز اور اس کی نگرانی اور اس کے ساتھ انقیاد تام بجا لا کر کیا

جاوے گا تو حسب وعدہ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا الآیہ اور اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللہَ الآیہ کے مطابق محبوب حقیقی کی طرف سے قبولیت ہو جائے گی۔ جس کی علامت دوام طاعت و تقوٰی اور مذکورہ بالا توجہ الی اللہ میں دوام و استقامت ہوتی ہے اس ساری حالت کا انداز کر کے نسبت کا حاصل ہونا سمجھا جاتا ہے جسکے کئی درجات و طرق ہیں (تفصیل رسالہ نسبت و اجازت میں ملاحظہ کریں)۔

اسم ذات کے زبانی ذکر کا بیان بلا ضرب اور بلا جہر

حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ہر طالب کو چاہیئے کہ پاس انفاس کے باوجود اسم ذات کا ورد یعنی حرکت لسانی کے ساتھ خفی آواز سے ایک لاکھ چھبیس ہزار مرتبہ روز کر لیا کرے۔ اگر اس پر قدرت نہ ہو تو چوبیس ہزار ورد کرے اس میں حکمت یہ ہے کہ آدمی دن میں چوبیس ہزار سانس لیتا ہے ہر سانس میں ایک بار ذکر ہو جائے گا اور وَالذّاکِرِیْنَ اللہَ کَثِیْرًا وَالذّاکِرَات کے زمرے میں داخل ہو جائے گا اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کم سے کم بارہ ہزار ضرور پڑھ لیا کرے (دیگر مشائخ کے یہاں کم از کم کی مقدار چھ ہزار بھی رہی ہے) اس ورد میں ذکر زبانی یقیناً ذکر قلبی کا وسیلہ ثابت ہو جائے گا اور جب زبان و قلب دونوں ذکر کرنے لگیں گے تو ذکر کی ترتیب کامل ہو گی یہ ترتیب تمام سلسلوں میں ہے۔

ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم کے یہاں ذکر کی ابتداء عام طور پر چونکہ ذکر لسانی جہری نفی اثبات وغیرہ ہی سے شروع ہوتی ہے اور بارہ تسبیح میں اسم ذات مجرد کی آخری تسبیح میں جو شمار کے لحاظ سے تیرھویں تسبیح ہے حسب قوت و شوق اور فرصت اضافہ کر دیا جاتا ہے اور پاس انفاس بعد میں بتایا جاتا ہے اس لئے الگ سے مذکورہ بالا ورد کی زیادہ ضرورت نہیں رہتی۔

لیکن اگر کسی کو ۱۲ تسبیح کی بجائے شروع ہی میں پاس انفاس تلقین کرنا ہو تو ورد مذکور کی حسب قوت کچھ مقدار تجویز کر دی جاتی ہے تاکہ ذکر کی ترتیب کامل ہو جائے۔ کچھ نہ کچھ ذکر لسانی اس لئے بھی ضروری ہے کہ لطیفۂ نفس عالم خلق سے ہے اس لئے فنائے نفس کے لئے حرکت لسانی ضروری ہے۔

ذکر اسم ذات زبانی مع الضرب کا طریقہ

اسم ذات کے ذکر کو اگر ہلکی آواز اور ضرب کے ساتھ کیا جائے تو محویت، لذت اور کیفیت زیادہ حاصل ہوتی ہے جو اذکار کے مقصد کے حاصل ہونے میں معین اور مفید ہے۔

ضرب کے ساتھ اسم ذات کے ذکر کی چار صورتیں ہیں۔ یک ضربی۔ دو ضربی۔ سہ ضربی اور چہار ضربی۔ یک ضربی کا طریقہ:۔ آنکھیں بند کر کے داہنے شانے کی طرف سر کو لیجا کر پوری قوت سے لفظ اللہ کو دل پر مارنا اور دو ضربی یہ جیسے پہلی ضرب روح پر لگائے اور دوسری دل پر (لطیفہ روح کی جگہ داہنے پستان کے دو انگل نیچے ہے) اور سہ ضربی یہ جیسے پہلی ضرب دائیں گھٹنے پر اور دوسری بائیں گھٹنے پر اور تیسری دل پر اور چہار ضربی یہ کہ پہلی ضرب دائیں گھٹنے پر دوسری بائیں پر اور تیسری روح پر اور چوتھی دل پر لگائے۔

نوٹ:۔ ضربات کی بہت سی مقداریں اور بہت سے طریقے ہیں جس کی وجہ سے اذکار کے مختلف نام بھی ہیں لیکن ہمارے حضرت کے یہاں اکثر معمول یک ضربی ہی کا ہے کیونکہ قلب کا اثر خود ہی سب جگہ ہو جاتا ہے۔ قلب سے سب جگہ اثر پہنچنے کی تفصیل لطائف کے بیان میں آئیگی۔

سلطان الاذکار وجبی

اگر کوئی طالب کمال ہمت اور پوری شرائط کے ساتھ ذکر جہری، ذکر خفی اور پاس انفاس میں کچھ عرصہ اتنا مشغول رہے کہ گویا اپنی ساری طاقت اسی میں صرف کر دے تو اس کو سلطان الاذکار کی کیفیت خود بخود حاصل ہو جاتی ہے۔ اس میں اپنے سارے جسم سے اور گرد و پیش کی سب اشیاء سے ذکر اللہ کی آواز دل کے کانوں سے مسموع ہوتی ہے اور بعض کو ظاہری کانوں سے بھی سُنائی دیتی ہے۔ اور بعض وقت آواز کے ساتھ یا بغیر آواز کے طالب کے حواس اور جسم پر کئی طرح کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ جسمانی اثرات عارضی طور پر جسمانی امراض مثل رعشہ یا سارے جسم کا پھڑکنا، لرزنا سارے جسم میں سرسراہٹ وغیرہ کے مشابہ ہو سکتے ہیں۔ جن کو شیخ کامل تمیز کر لیتا ہے اور اس کی توجہ سے تبدیلی بھی ہو جاتی ہے۔

شغل سلطان الاذکار کا کسبی طریقہ

یہ شغل بہت آسان، بہت مفید اور بے حد لذیذ ہے بشرطیکہ اس وقت کیا جائے جب پاس انفاس بلاارادہ جاری ہوچکا ہو اور شیخ کی توجہ بھی شامل رہے۔

سالک کو چاہئیے کہ تنگ و تاریک حجرہ میں جس میں شور و غل کی آواز نہ آتی ہو۔ داخل ہو کر درود و استغفار اور اعوذ باللہ پڑھے پھر تین بار حضور قلب اور تصور سے (بغیر زبان ہلائے) دعا کرے۔ اے اللہ میرے سمع، بصر اور قلب کو نور دے اور مجھے سراپا نور بنا دے۔

پھر لیٹ کر یا بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر اپنے بدن کو ہلکا کرے (یعنی ہلکا تصور کرے) اور مردہ تصور کرے (چت لیٹ کر آسان ہوگا) اور سر سے پاؤں تک اپنے بال بال پر متوجہ ہو کر خیال کرے کہ سانس لینے اور باہر کرتے وقت سر سے پاؤں تک ہر بال بال سے لفظ مبارک ھو نکل رہا ہو۔ (یا پاس انفاس کی طرح اندر جانے والے سانس میں لفظ اللہ کا تصور کرے اور سانس کے باہر نکلتے وقت سارے جسم سے ھو نکلنے کا خیال کرے۔ پاس انفاس کی سابقہ مشق ہو جانے کی وجہ سے اس طرح آسان ہوگا) اس شغل کے اور کئی طریقے ہیں ایک دوسرا آسان طریقہ اشغال نقشبندیہ میں بیان ہوگا جو خفی اذکار کرنے والوں کے لئے زیادہ آسان اور مفید ہے۔

اس شغل میں اس طرح منہمک ہونا چاہئیے کہ اپنا خیال بھی جاتا رہے اور ھوالحی القیوم (وہ زندہ اور قائم ہے) کا ہر وقت تصور قائم کرے۔ اس کا نتیجہ چند روز کے بعد یہ ہوگا کہ جسم کا ہر ہر رواں اور ہر ہر بال ذاکر ہو جائے گا اور انوار تجلی سے منور ہو جائے گا۔ (صاحب بصیرت ذاکر کے اس نور کو صاف مشاہدہ کرے گا اور اس ذاکر کے دیکھنے والے کے اندر بھی اللہ کی یاد اور توجہ پیدا ہوگی)

نوٹ :۔ طالب علم دین میں مشغول اور قلیل دماغ کا ضعیف اس شغل کو نہ کرے کیونکہ اس کی لذت کسی دوسرے کام کا نہ چھوڑے گی۔

نوٹ ۲ :۔ جو طالب پاس انفاس کے ساتھ ھوالباطن اور ھوالظاھر کی مشق کر چکا ہو اور اس

فہرست مضامین

کو راسخ کرلیا ہواس کو سلطان الاذکار کرنے کی ضرورت نہیں مقصد اس سے حاصل ہو چکا۔ وہ مقصودہ اوراد، تلاوت و عبادات میں لگے۔ کیونکہ اب ترقی اور قوت نسبت اعمال سے ہوگی نہ کہ محض کیفیات سے

فصل مراقبات کے بیان میں

مراقبہ اللہ پاک کی طرف خیال کو جمانے کا نام مراقبہ ہے تاکہ دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور دل دیگر باتیں (حدیث نفس) نہ کرے کیونکہ دل سے بقصد فضول باتیں کرنا غفلت و امراض قلبی پیدا کرتا ہے لہٰذا دل کی خطرات سے نگہبانی کرنے اور فیض الٰہی کی نگرانی کرنا مراقبہ کا مقصد ہے۔

مراقبات بہت ہیں جن میں بعض تو مقصودہ مراقبے کی استعداد یعنی یکسوئی وغیرہ پیدا کرنے کے لئے ہوتے ہیں مگر آج کل ہمتوں کے کمزور ہو جانے کی وجہ سے مراقبات کی یہ قسم معمول میں نہیں رہی۔ تاکہ کوئی استعداد پیدا کرنے ہی میں نہ رہ جائے۔ اس لئے ہمارے حضرت شیخ دام مجدہم کے ہاں عام طور پر مراقبہ موت یا مراقبہ دعائیہ کی تعلیم کا دستور ہے کہ یہ دونوں مقصودہ عبادت میں شمار ہیں اور منتہی ذاکرین و مجازین کو مراقبہ معیت تعلیم فرماتے ہیں۔ جس کے ضمن میں حقیقی ذکر اور اَللّٰہُ حَاضِرِیْ اَللّٰہُ نَاظِرِیْ اور بہت سے مقصودہ مراقبے حاصل ہو جاتے ہیں۔

مراقبۂ موت

فضیلت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم دس آدمی جن میں ایک میں بھی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک انصاری نے حضور سے سوال کیا کہ سب سے زیادہ سمجھدار اور سب سے زیادہ محتاط آدمی کون ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو لوگ موت کو سب سے زیادہ یاد کرنے والے ہوں اور موت کے لئے سب سے زیادہ تیاری کرنے والے ہوں۔ یہی لوگ ہیں جو دنیا کی شرافت اور آخرت کا اعزاز لے اڑے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے موت کو کثرت سے یاد کرنے اور یاد رکھنے کے بارے میں بہت مختلف عنوانات سے بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ ان میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم اکثروا ذکر ھادم اللذات الموت یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ بھی وارد ہے۔ اس لئے کہ موت کو کثرت سے یاد رکھنا امیدوں کے مختصر ہونے کا ذریعہ بھی ہے، موت کی تیاری کا بھی سبب ہے، دنیا سے بے رغبتی کا بھی سبب ہے جو اصل مقصود ہے۔ موت کے مراقبہ سے لمبی امیدوں اور فضول فکروں سے بھی نجات ہو جائے گی۔ دل میں نور پیدا ہوگا۔ گناہوں سے نفرت اور نیک کاموں کی رغبت پیدا ہوگی خصوصًا دنیا کی محبت جو حُبُّ الدنیا رأسُ کلِّ خطیئۃ ہے اور تکبر جو امّ الامراض ہے میں کمی آجائے گی اور یہ دونوں چیزیں سلوک کے اہم موانع میں سے ہیں۔

طریقہ اس مراقبہ کو حاصل کرنے کے لئے سب سے مؤثر عمل مُردوں کے غسل اور کفن دفن میں کبھی کبھی شرکت کرنا ہے۔ میرے آقا مرشد دامت برکاتہم کا جوانی میں معمول تھا کہ مدرسہ کے کسی طالب علم مُدرس یا متعلق کے مرنے کی خبر ملتی تو بنفس نفیس وہاں تشریف لے جا کر غسل دیتے۔

طالب کو چاہئے کہ رات کو سوتے وقت چند منٹ موت کو یاد کر لے کہ مرجانا ہے دنیا اور سب کچھ چھوڑ جانا ہے اور سب مال اولاد اور احباب نے بھی مجھے چھوڑ دینا ہے ؏

عمر بھر دوستی کے جو تھے مدعی   قبر تک اپنا کاندھا بدلتے گئے

موت سر پر کھڑی ہے مقررہ وقت پر آنا ضروری ہے اور یقینی ہے مگر وقت معلوم نہیں شاید ابھی آجائے۔ لہٰذا موت کے لئے تیار ہو کر قبلہ رُو ہو کر لیٹ جائے۔ کافور لگا ہوا کفن رکھا ہو تو نکال کر ایک نظر دیکھ لے۔ اس کو سونگھ لے۔ پھر نزع کی حالت اور قبر کے معاملات کو اس تفصیل سے یاد کرے جو رسالہ "موت کی یاد" میں حضرت اقدس نے تحریر فرمائے ہیں۔ خصوصًا عربی کے دونوں قصیدوں کے مضمون کا تصور کر لیا کرے۔

نوٹ:۔ اگر اس تفصیل سے یاد کرنے میں وحشت ہونے لگے تو کمزوروں والا اجمالی طور پر

یا ذکر کرتے کلمۂ طیبہ پڑھتا ہوا سونے کی دعا اَللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰی پڑھ کر سو جائے۔
اگر یہ دعا اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لِیْ فِی الْمَوْتِ وَفِیْمَا بَعْدَ الْمَوْتِ کو روزانہ ۲۵ مرتبہ کہہ لیا کرے تو بموجب حدیث مرنے کے بعد شہادت کا مرتبہ بھی پائے اور موت کی یاد بھی ہو جائے۔

مراقبۂ دعائیہ

یہ بہت آسان اور عام فہم چیز ہے لیکن کچھ عرصہ از کار و اشتغال کرانے کے بعد جب کچھ یکسوئی پیدا ہو جائے تو کرایا جاتا ہے۔ یہ مراقبہ آسان ہونے کے ساتھ اتنا مفید اور راہ ہے کہ مراقبہ معیت جو پرانے ذاکر شاغل جن کے رگ و پے میں ذکر سرایت کر جائے ان کو تعلیم کیا جاتا ہے کیونکہ وہ مشکل ہے لیکن اس مراقبہ دعائیہ سے مراقبہ معیت کی طرف آسانی سے راستہ مل جاتا ہے۔

طریقہ کسی یکسوئی کے مقررہ وقت میں پہلے چند بار درود شریف پڑھے پھر بغیر زبان ہلائے دل دل میں اللہ پاک سے دعائیں مانگتے رہنا ہے۔ پہلے کچھ دیر اپنی ہدایت، مغفرت اور صلاح و فلاح کے لئے دعائیں کرے۔ پھر اپنی آخرت کے لئے دعائیں کرے پھر اپنی دنیاوی ضروریات کے لئے دعائیں کرے اور ان سب دعاؤں سے مقصود رضائے الٰہی کو سمجھے کیونکہ بندے کی اظہار احتیاج میں اللہ کی رضا ہے۔

شروع میں اس مراقبہ کو پانچ منٹ سے لے کر دس منٹ تک کرے پھر حسب فرصت و ذوق بڑھاتا رہے اور نصف گھنٹہ تک کرلے اور جو تقسیم دعاؤں کی لکھی ہے یہ بہتر صورت ہے لیکن یہی تقسیم ضروری نہیں اگر کسی وقت کسی خاص دعا میں خصوصی توجہ اور دل لگے یا کوئی خصوصی ضرورت در پیش ہو تو چاہے سارے وقت میں وہی ایک دعا کرتا رہے۔ کیونکہ دعا اور دوسری عبادات میں یہ فرق ہے کہ ان میں صورت اور روح دونوں مطلوب ہوتے ہیں اور خالی روح کا بلا صورت اعتبار ہی نہیں کیا جاتا، جیسے نماز کی روح یعنی توجہ الی اللہ کے علاوہ ارکان نماز، شرائط نماز وغیرہ سب امور کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے ورنہ نماز گڑبڑ ہو جائے گی، بلکہ نماز کا حضور قلب بھی یہی ہے کہ دل

سے نماز کی شرائط و آداب کا خیال رکھے۔ کیونکہ نماز کی صورت بھی مقصود ہے بغیر صورت کے محض توجہ الی اللہ سے ، جو اگرچہ نماز کی رُوح ہے نماز نہیں ہوگی۔ یہی حال تلاوت کا ہے کہ اس میں قرآن پاک کے الفاظ تجوید کے ساتھ ادا ہونا ضروری ہیں۔ تلاوت میں اگر توجہ نہ بھی ہوگی تو بھی تلاوت کا ثواب ملے گا۔ مگر دعا میں یہ بات نہیں۔ دعا میں صرف توجہ ہی اصل ہے الفاظ نہیں۔ حتیٰ کہ مراقبہ دعائیہ تو اسی کا نام ہے کہ بغیر الفاظ کے دعا کرے۔ توجہ کے بغیر دعا کرنا بے ادبی ہے خواہ الفاظ کیسے ہی اچھے ہوں۔ لہٰذا دعا کی تقسیم یا الفاظ مضمون وغیرہ جو طریقہ اوپر لکھا گیا اس میں اگر کوئی چیز کم یا زیادہ کرنے میں توجہ الی اللہ میں زیادتی ہو تو طریقہ کی پرواہ نہ کرے۔

مراقبۂ معیت

اشغال و مراقبات میں یہ مراقبہ بہت اونچے درجہ کی چیزوں میں سے ہے منتہی طالبوں کو سکھایا جاتا ہے۔ قبل از وقت اس میں کامیابی نہیں ہوتی لہٰذا اس کے کرنے کا وقت بھی شیخ کی تجویز اور اجازت پر مبنی ہیں۔ ورنہ نفع نہیں ہوگا۔ کیونکہ مبتدی کو مراقبہ میں تھوڑی دیر کے بعد ذھول ہو جائے گا آدمی خاموش غافل بیٹھا ہوا سمجھے گا کہ میں مراقبہ میں ہوں اس سے تو غافل دل کے ساتھ زبانی ذکر ہی کرتا رہتا تو وہ بھی فائدے سے خالی نہ ہوتا۔

مراقبہ کی تلقین کا وقت: یہ مراقبہ ذکر کے آثار پیدا ہو جانے کے بعد کرایا جاتا ہے اور ذکر کے اثر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا سے رغبت کم ہو جائے اور وہ جاذب نظر نہ رہے۔ آخرت کی طرف دھیان بڑھ جائے۔ طبیعت میں یکسوئی پیدا ہو جائے۔ فضول ملاقاتوں سے نفرت اور تبتّل کی رغبت ہو جائے ؎

با بارشتہ سب سے توڑ   با بارشتہ ربّ سے جوڑ

اگر اس سے پہلے کچھ عرصہ مراقبہ دعائیہ بھی کر چکا ہو تو بہت اچھا ہے۔

طریقہ :- جیسے نماز کا سیکھنا آسان ہے اور عارف و غیر عارف کا ظاہر ایک ہی طرح کا ہوتا ہے لیکن باطن کے لحاظ سے دونوں کی نمازوں کا بہت فرق ہوتا ہے کہ مشائخ کے نزدیک عارف کی ایک رکعت غیر عارف کی لاکھ رکعت سے بڑھ کر ہے۔ یہ فرق باطنی کیفیت، یقین و اخلاص اور نسبت باطنی کی قوت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یہی حال مراقبہ معیت کا ہے کہ سمجھنے کو یہ اتنا آسان ہے کہ ہر آدمی کو حاصل ہے وہ یہی کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے، مجھے دیکھ رہا ہے، میں اس کے حضور میں ہوں۔ اس بات کو ہر عام آدمی مانتا ہے بلکہ عقیدہ میں داخل ہے ورنہ تو مسلمان ہی نہیں۔ پس اسی علم حضوری اور معیت کی طرف اَللّٰہُ مَعِیْ کے تصور میں محو ہو جانا مراقبہ معیت ہے تاکہ اس کی مشق ہو کر ہر وقت استحضار رہا کرے اور حضوری و معیت کا جو علم پہلے سرسری اور عارضی تھا اور وہ اعمال قلبیہ و قالبیہ میں مؤثر نہ تھا وہی علم یقین و حال کے درجہ میں ہو جائے اور رسوخ ہو کر مقام احسان حاصل ہو جائے اس وقت حسب مراتب عجیب کیفیتیں اور لذتیں حاصل ہوں گی اور اس کے ثمرات اخلاص توکل وغیرہ حاصل ہوں گے اعمال شرعیہ باروح اور وزنی ہو جائیں گے اور ہر وقت کے احکام پر چلنا ہر وقت کے حقوق ادا کرنا آسان ہوں گے اور ساری زندگی عبادت بن جائے گی اور آدمی صاحب نسبت اور ولی اللہ کہلائے گا۔

مراقبہ معیّت میں صفت صمدیت شامل کرنا

صاحب علم اور فہیم طالب کو اس مراقبہ میں ذات مقدسہ کی معیت اور حضوری میں اس کی صفت صمدیت کو شامل کرنے کی تعلیم دی جاتی ہے تاکہ خاص لطف اٹھائے یہ بے حد عشق الٰہی پیدا کرنے اور قوت نسبت کا موجب ہوگا۔ حضرت گنگوہیؒ نے بھی حضرت اقدس سہارنپوریؒ کو مراقبہ معیت میں صفت صمدیت ملانے کا امر فرمایا تھا۔ (ماخوذ از مکتوب گرامی بنام حضرت سہارنپوریؒ در تذکرۃ الخلیل) معیت اور حضوری کی حالت اعلیٰ درجہ کی فکر کی ہوتی ہے لہٰذا اس وقت ذاکر پر نافذ کردی

اذکرکم کے وعدہ کے مطابق کریم آقا کی خصوصی توجہ اپنی رحمت و عطا و فضل کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ ذات غنی مطلق اور بے نیاز ہے۔ اس لئے خیال کرے کہ میرے ساتھ ایسی ذات ہے جس کا میں ہر طرح ہر آن ہر بات میں صرف اس کا محتاج ہوں اس کے علاوہ دوسرا کوئی کارساز نہیں حتیٰ کہ اپنے وجود میں اور اب اس کو یاد کرنے کی توفیق میں بھی اس سے مانگنے میں بھی اس کی توفیق کا سراپا محتاج ہوں۔ غرض اس کی بے نیازی اور اپنی احتیاج اور اس کے واحد محتاج الیہ ہونے کو جس قدر تفصیل سے سوچے گا محبت و لطف زیادہ پائے گا اور عشق میں ترقی ہوگی۔

بعض صاحب علم جن کا دماغ تیزی سے کام کرتا ہو وہ بلا صفات محض ذات بحت کی طرف زیادہ دیر تک متوجہ ہو کر منہمک نہیں رہ سکتے ان کے لئے مندرجہ بالا طریقہ بہت مفید ہے۔

اس مواجہت اور حضوری میں دل کی زبان سے بجز رضائے محبوب کے اور کچھ نہ چاہے یا محبت و شوق میں روتا ہی رہے کبھی اپنی ذات کے اعتبار سے اپنی احتیاج اپنی ذلت و خواری کے پیش نظر شرمندگی میں ڈوبا رہے کبھی ایسے منعم صمد اور محبوب کے آمنے سامنے ہو جانے کی خوشی اور لذت حاصل کرتا رہے غرض اس وقت جس طرح کا وارد ہو اسی حالت کو مالک کی عطا اور پسند سمجھتے ہوئے عمل درآمد کرے تکلف سے کوئی حالت نہ بنائے ؎

سکوت عشق کو ترجیح ہے اظہار الفت میں
مری آہیں رسا نکلیں یہ نالے بے اثر نکلے

حضرت سعدون رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ اسباب معرفت سننا چاہتے ہیں انہوں نے کہا کہ آپ کے علوم سے نفع تو پہنچنا ہی چاہیئے۔ تو حضرت سعدون نے عربی کے دو شعر پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ عارفین کے دل ہر وقت مولا کی یاد میں مشتاق رہتے ہیں اور اشتیاق میں نالہ کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس کے قرب میں منزل بنا لیتے ہیں اور مولا کے عشق میں ایسے خلوص سے لگتے ہیں کہ عشق سے ہٹانے والی ان کے لئے کوئی چیز نہیں رہتی ؎

ہمارا کام ہے راتوں کو رونا یاد دلبر میں
ہماری نیند ہے محو خیال یار ہو جانا

مراقبہ صمدیت والے کی حالت

صفت صمدیت کے ساتھ مراقبہ معیت کرنے والے سے بڑھ کر دنیا میں کوئی ہفت اقلیم کا بادشاہ بھی مطمئن اور بے فکر نہیں ہو سکتا۔ دنیا کے متعلق حقیقی قلبی پریشانی اس کو لاحق ہونا ناممکن ہے اگر ذاکر اپنے جذب طلب میں کوئی پریشانی اور کوئی وحشت پاتا ہے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کو ابھی مراقبہ حاصل نہیں ہوا۔ اس مراقبہ والے کی حالت میں یہاں ایک پُر لطف حکایت درج کی جاتی ہے۔

حکایت

ہندوستان کے بادشاہ حضرت اورنگ زیب عالمگیرؒ کی حکومت میں ایک ریاست کا ہندو راجہ مرگیا۔ اس کا صرف ایک نابالغ لڑکا تھا جو ریاست کا کام سنبھالنے کے قابل نہ تھا۔ اس لئے اس کو باپ کی گدی پر بٹھانے کے لئے وزراء کو بادشاہ سے اجازت کی ضرورت ہوئی۔ شاہ نے حکم دیا کہ اس لڑکے کو ہمارے سامنے پیش کیا جائے۔ لڑکا جب محل میں پہنچا تو بادشاہ سلامت حوض کے کنارے غسل فرمارہے تھے۔ شاہ نے اسی جگہ لڑکے کو طلب فرمالیا۔ بچہ ہونہار اور ذہین معلوم ہوتا تھا۔ جیسا کہ محبت سے بعض وقت بچوں کو اوپر اچھال کر ڈرایا کرتے ہیں۔ شاہ نے بھی بچے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اٹھالیا۔ اور حوض میں پھینکنے کے لئے پانی کی طرف بڑھایا تو بچہ بجائے رونے اور ڈرنے کے ہنس پڑا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تم کو گرنے کے خوف سے رونا چاہیئے تھا تم خوش کیوں ہو رہے ہو تم ابھی پانی میں ڈوب کر مر جاؤ گے بچہ نے جواب دیا کہ حضور والا کی یہ شان ہے کہ آپ اگر کسی ڈوبتے والے کی انگلی پکڑلیں تو وہ تر جائے اور انگلی پکڑنے کی برکت اس کی پشتوں تک کے لئے کافی ہو جائے اور حضور نے تو میرے دونوں ہاتھ مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔ اس حالت میں حوض کیا مجھے تو کسی سمندر کا بھی ڈر نہیں۔ یہ سن کر بادشاہ نے حکم دے دیا کہ اسی بچہ کو گدی پر بٹھلا دو انشاءاللہ کام چلالے گا۔

ذاکر کے پریشان ہونے کی حقیقت

ذاکر کے دل میں پریشانی اور دہشت نہ ہونے سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اس پر دنیاوی عوارضات اثر نہیں کرتے۔ دنیا میں اس کو اور لوگوں کی طرح بلکہ بعض وقت اوروں سے زیادہ پریشانیوں کے اسباب بیماریاں، تکلیفیں اور تفکرات کی صورتیں پیش آتی ہیں اور وہ ان سے طبعی طور پر عام لوگوں کی طرح بلکہ ذکی الحس ہونے کی وجہ سے اوروں سے بھی زیادہ متاثر نظر آئے گا اور کبھی اپنی تکلیف کو اظہار عبدیت کے جذبہ سے بیان بھی کرے گا بلکہ رو رو کے بیان کرے گا۔ مگر اس کا قلب بالکل مطمئن ہوگا اور مسرور ہوگا وہ ہائے ہائے کرتا ہوا بھی دل میں ہنستا ہوگا اولو العزم پیغمبر حضرت یعقوب علیہ السلام سے زیادہ کون رویا ہوگا اور پیغمبر سے زیادہ کون صابر اور مطمئن ہو سکتا ہے۔ اس کی عام فہم مثال انجکشن لگوانے کی ہے جس سے آج کل سب ہی کو واسطہ پڑتا ہے کہ جب ڈاکٹر ایک اینچ لمبی سوئی مریض کے بازو میں نہایت بے تکلفی سے داخل کر دیتا ہے اس کے ساتھ درد کرنے والی تیز دوا بھی ہوتی ہے تو مریض ہائے کرتا ہے اور سوئی لگتے وقت چہرے پر ناگواری کے آثار ہوتے ہیں۔ اس پر اگر ڈاکٹر کہے کہ سوئی لگوانا اگر آپ کو پسند نہیں تو کل کو تشریف لانا ابھی تو دس سوئیاں اور لگنی ہیں۔ اس پر مریض سچے دل سے کہے گا نہیں جی مجھے تو اوپر اوپر کے دل سے تکلیف ہوئی تھی میں تو تہ دل سے آپ کا شکر گزار ہوں۔ چنانچہ ڈاکٹر کو فیس بھی دے گا اور سلام بھی کرے گا۔

غرض یہ کہ اس مرتبہ والے ذاکر کے جذر قلب میں کبھی پریشانی نہیں ہوگی نہ ہی اس کو کوئی ایسا فکر لاحق ہوگا جو بے حال کر دے کیونکہ اس کا اندر سے یہ حال ہوگا ؎

کارساز ما بساز کار ما ۔ فکر ما در کار ما آزار ما

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے وصل محبوب کے لئے اس آسان شغل کی قدر کرنے کی توفیق دے تاکہ لئن شکرتم لازیدنکم کے مطابق مزید عطا و ترقی ہو۔

فہرست مضامین

ضروری وضاحت دوبارہ پاس انفاس

پاس انفاس کی تعلیم و تجویز کے بیان میں ذکر ہوا کہ پاس انفاس جس کے مختلف طریقے ہیں جو مشائخ سلوک کے ہاں متعارف ہیں۔ عمل تو اپنے شیخ کی تجویز پر کرنا چاہیئے لیکن اتنا سب میں مشترک ہے کہ ہر سانس کے ساتھ اللہ کا ذکر ہو یہ سانس کے ساتھ ذکر کرنے کا سب میں مشترک ہونا شغل پاس انفاس سے متعلق ہے جبکہ پاس انفاس کو بطور شغل کیا جائے۔ لیکن اس شغل کے مقاصد و ثمرات جو اُوپر بیان ہوئے مثلاً صفائی قلب اور دوام یا دا گر کسی دوسرے شغل اور طریق سے حاصل ہو جائیں تو خاص اسی شغل پاس انفاس کی ضرورت نہیں۔ بلکہ پاس انفاس سے تو زیادہ سے زیادہ چوبیس ہزار بار ذکر ہو گا اور بعض دوسرے زبانی اور قلبی اذکار کی تعداد لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے اور مقاصد مذکورہ کے حصول والے صاحب دولت کا ذکر تعداد میں لاکھوں سے زیادہ اور کیفیت و ترقی میں تمام اشغال سے بدرجہا بڑھ کر ہو گا کیونکہ ایسے صاحب نسبت کا ذکر بذریعہ فرائض و سنن اور دیگر احکامِ شرعیہ کی ادائیگی میں ہو گا۔ احکام شرعیہ پر اخلاص کے ساتھ دھیان کرتے ہوئے خواہ بیع و شراء بلکہ لڑائی جھگڑا یا ہنسی مذاق ہی کیوں نہ ہو حسب مراتب سب ذکر میں شمار ہو گا اور فرائض کی ادائیگی مثلاً نمازیں تو سب سے اعلیٰ ذکر حاصل ہو گا کیونکہ احکامِ شرعیہ محبوب کی میزان رضا ہے۔ جب کوئی کام بھی شریعت کی رعایت کرتے ہوئے اور حکم دینے والے کو سامنے رکھتے ہوئے کیا جائے گا تو ہر حرکت و سکون میں آمر کی رضا اور اس کی یاد حاصل رہے گی کیونکہ۔

تمام احکام شرع میں اصل اُمر اللہ تعالیٰ ہی ہیں، مگر اعمال شرعیہ پر عمل کرنے سے یہ ثمرات یعنی رضا و ذکر جب ہی حاصل ہوں گے جب اعمال کی ظاہری اور باطنی شرائط پوری کی جائیں۔ ظاہری شرائط فقہ حاصل کرنا ہے جو کنز قدوری کتب فقہ میں ہیں۔ باطنی شرائط ایمان و احتساب، یقین و احسان ہیں (جن کے حصول کیلئے ذکر اور اشغال اختیار کرنا ہے) نماز وغیرہ اعمال کے فضائل و ثمرات میں یہ سب شرائط بھی لگی ہوئی ہیں اور ان شرائط کے بغیر انہیں اعمال کا، حسب مراتب کمی ناقص، بے اثر ہونا، اللہ سے بجائے قُرب کے بُعد پیدا کرنا اور مُنہ پر مار دیا جانا بھی قرآن و حدیث میں ہے۔ لہٰذا یہ شرائط اعمال سے مقدم

اور ضروری ہیں۔ اور ان کی مدح ہیں دوسری طرف انہیں شرائط کا نام اعمال باطنی بھی ہے مگر ان کی فضیلت اور اعتبار اعمال ظاہری کے ساتھ ہے۔ مثلاً کوئی حضوری اور احسانی کیفیت میں بیٹھا ہی رہے اور وقت پر اٹھ کر نماز نہ پڑھے یا معاملات میں عائد شدہ فرائض کا خیال نہ کرے تو وہ احسانی کیفیت معتبر نہیں ہاں اس کیفیت کے ساتھ مع فقہی رعایت کے جب شریعت کے فرائض و واجبات ادا کرے گا۔ تو اس کی نماز بلا حضوری والے کی نماز سے لاکھوں گنا وزنی مؤثر اور مُذکر ہوگی۔ اسی طرح تمام احکام شرعیہ عبادات معاملات اخلاق معاشرت میت سب ذکر کہلائیں گے۔ یہاں عام طور پر ظاہری علماء اور صوفیوں کو دو مغالطے ہو گئے ہیں۔ بعض لوگ ظاہری اعمال کی اصلاح کو باطن کی اصلاح کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور ان کی مذکورہ بالا باطنی شرائط کے بغیر ہی ان کو ذکر میں شمار کرتے ہیں۔ حالانکہ حدیث پاک میں قلب کی اصلاح کو جسم کی اصلاح یعنی جوارح سے ادا ہونے والے اعمال کی اصلاح کا ذریعہ فرمایا گیا ہے۔ اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ الحدیث اور دوسرے بعض حضرات اپنے زعم میں باطن کی اصلاح کر کے عبادات و معاملات میں تقوٰی کا خیال نہیں کرتے حالانکہ حدیث احسان میں اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ فرمایا گیا ہے یعنی عبادت کو اس کیفیت کے ساتھ ادا کرنا احسان کہلاتا ہے اگر عبادت اور معاملات میں تقوٰی اور تواضع نہیں تو یہ احسانی کیفیت محض یاد داشت ہے۔ ابھی نسبت اور تعلق مع اللہ کا حصول نہیں ہوا کیونکہ یادداشت لازم اور نسبت ملزوم ہے اور اگرچہ نسبت اور اصلاحِ اخلاق اور اصلاحِ معاملات وغیرہ سب الگ الگ چیزیں ہیں لیکن نسبت کے بعد ان کا پیدا ہو جانا ایسا ہی ضروری ہے جیسے پختہ ایمان کے ساتھ اسلام کا ہونا یعنی نماز روزہ کا ہونا۔ ہر کوئی ضروری سمجھتا ہے۔ کیونکہ جب یادداشت کے ساتھ عشقی تعلق بھی ہوگا، تو اپنی ہر حرکت و سکون کو پیش نظر اپنے محبوب مالک کا حاضر جان کر شرع کے مطابق ناپ تول کا دھیان رہے گا اسی کا نام احسان ہے۔ اسی وجہ سے ہر حرکت و سکون عبادت بن جاتی ہے اور رضا و ذکر کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اور تہذیب اخلاق وغیرہ ہر چیز سے مقصودِ اصلی رضا یہ ہے۔

اس وضاحت کا مقصد یہ نہ ہے کہ شغل پاس انفاس کے فوائد و ثمرات پڑھ کر ان کو اسی شغل میں منحصر نہ سمجھا جائے اور جس طریقہ یا بزرگ کے یہاں یہ شغل معمول بہا نہ ہو ان کو دوام ذکر وغیرہ سے خالی نہ

سمجھا جائے مثلاً حضرات نقشبندیہ میں شغل پاس انفاس تو نہیں اس کے بدلے ان کے ہاں وقوف زمانی اور ہوش در دم ہے۔

فصل نمبر۲ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ابتدائی اذکار و اشغال

اذکار خفی کی فضیلت اور سلوک میں اس کا موضوع

ذکر خفی ذاکر کے خیال اور وہم کو گم گشتگی اور گمنامی بخشتا ہے۔ یہ ذکر اسم مبارک کی حلاوت اور شیرینی پانے اور تنہائی اور خاموشی کی لذت پانے اور لوگوں کے اختلاط اور ہم کلامی سے نفرت حاصل کرنے کے لئے موضوع ہے۔

ذکر جہری کی طرح اس سے بھی حقیقی قلبی ذکر یا ملکۂ یاد داشت اور مذکور کا عشق پیدا ہو جاتا ہے اور اگر اس کو احکام شرع کو بجا لاتے ہوئے کیا جاوے تو قبولیت و نسبت کا حصول ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ یہ اذکار اس طریق پر واقع ہوں جو صوفیاء کرام میں معروف ہیں۔ (ماخوذ از صراط مستقیم)

ذکر خفی کے فضائل

کو حضرت مرشدی کی کتاب فضائل ذکر حدیثؐ سے نقل کرتا ہوں:۔

مسند ابو یعلی میں بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ وہ ذکر جس کو فرشتے بھی نہ سن سکیں ستر درجہ دو چند ہوتا ہے جب قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہٗ تمام مخلوق کو حساب کے لئے جمع فرمائیں گے اور کراماً کاتبین اعمالنامے لیکر آئیں گے تو ارشاد ہوگا کہ فلاں بندے کے اعمال دیکھو کچھ اور باقی ہیں۔ وہ عرض کریں گے کہ ہم نے کوئی بھی ایسی چیز نہیں چھوڑی جو لکھی نہ ہو اور محفوظ نہ ہو۔ تو ارشاد ہوگا کہ ہمارے پاس اس کی ایسی نیکی باقی ہے جو تمہارے علم میں نہیں۔ وہ ذکر خفی ہے۔

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ جس ذکر کو

فرشتے بھی نہ سُن سکیں وہ اس ذکر پر جس کو وہ سُن سکیں ستر درجہ بڑھا ہوا ہے۔ یہی مراد ہے اس شعر سے جس میں کہا گیا ہے ؎

میانِ عاشق و معشوق رمزے است
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

کہ عاشق و معشوق میں ایسی رمز بھی ہوتی ہے کہ فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوتی۔ کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو ایک لحظہ بھی غفلت نہیں ہوتی۔ کہ ان کی ظاہری عبادات تو اپنے اپنے اجر و ثواب حاصل کریں گی ہی۔ یہ ہر وقت کا ذکر و فکر پوری زندگی کے اوقات میں ستر گنا مزید برآں۔ یہی چیز ہے جس نے شیطان کو دق کر رکھا ہے۔

حضرت جنیدؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ خواب میں شیطان کو بالکل ننگا دیکھا انہوں نے فرمایا تجھے شرم نہیں آتی کہ آدمیوں کے سامنے ننگا ہوتا ہے، وہ کہنے لگا یہ کوئی آدمی ہیں آدمی وہ ہیں جو شونیزیہ کی مسجد میں بیٹھے ہیں جنہوں نے میرے بدن کو دبلا کر دیا میرے جگر کے کباب کر دیئے حضرت جنید فرماتے ہیں کہ میں شونیزیہ کی مسجد میں گیا۔ میں نے دیکھا کہ چند حضرات گھٹنوں پر سر رکھے ہوئے مراقبہ میں مشغول ہیں۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو فرمایا کہ خبیث کی باتوں سے کہیں دھوکہ میں نہ پڑ جانا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم سے نقل کرتے ہیں کہ بہترین ذکر، ذکر خفی ہے اور بہترین رزق وہ ہے جو کفایت کا درجہ رکھتا ہو۔

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے بھی حضور سے یہی نقل کیا۔

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اللہ کو ذکر خامل سے یاد کیا کرو۔ کسی نے دریافت کیا ذکر خامل کیا ہے۔ ارشاد فرمایا مخفی ذکر، بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بندہ جب مجھے یاد کرتا ہے۔ تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ پس اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا یاد کرنا اور ساتھ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ میری خاص توجہ اس پر رہی ہے اور خصوصی رحمت کا نزول اس پر ہوتا رہتا ہے۔ یہ فضیلت کس قدر عظیم اور سکون قلب کا باعث ہے۔ البتہ ذکر کے مراتب کئی ہیں انہیں کے بقدر یہ دولت نصیب ہوتی ہے اور ذکر کے تمام مراتب اللہ کریم کے فضل سے مداومت کرنے والے کو درجہ بدرجہ حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ مندرجہ بالا فضائل ذکر خفی کے ہیں اور حصہ اول میں ذکر جہری کے فوائد و ثمرات بیان ہوئے ہیں یہ دونوں مستقل چیزیں ہیں جو حالت کے اعتبار سے مختلف ہیں اس کو شیخ تجویز کرتا ہے کہ کس شخص کے لئے کس وقت کیا مناسب ہے۔

ذکر خفی کا طریقہ اور لطائف ستّہ

حضرت شیخ دام مجدہم کے معمول میں ذکر خفی کی تعلیم کا مفصل حال شجرہ نقشبندیہ امدادیہ خلیلیہ میں ملاحظہ کریں۔ یہاں مختصر طور پر طریقہ ہی بیان کرتا ہے۔ ہمارے حضرت ذکر خفی کو لطائف ستہ سے نہیں کرواتے۔ یہ لطائف کشف سے دریافت ہوئے ہیں۔ بزرگوں کے کشوف کے اختلاف کی وجہ سے ان کے قواعد اور تعدد میں اختلاف ہے بلکہ مقامات میں بھی اختلاف ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ نفس کے علاوہ باقی لطائف آپس میں متناسب ہیں اور ہر تحتانی لطیفہ اپنے فوقانی کے لئے ممد ہے اور فوقانی تحتانی پر مشتمل ہے۔ اس لئے فوقانی کے جاری ہونے سے تحتانی بھی جاری ہو جاتا ہے۔

(ماخوذ از تحقیق حضرت حاجی صاحب رحؒ بروایت حضرت حکیم الامت تھانوی رحؒ) اور بعض حضرات تمام لطائف کو قلب ہی کے اندر مانتے ہیں اس لئے ذکر خفی کی تعلیم میں صرف قلب ہی پر زور دیا جاتا ہے کافی ہو جاتا ہے۔ کہ اس کا اثر سب جگہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ۔ یہ قلب (گوشت کا لوتھڑا) جس کو قلب صنوبری کہتے ہیں قلب حقیقی کا جو عالم امر سے ہے آشیانہ ہے۔ اور

عادتُ اللہ اس طرح جاری ہے کہ جب مرید اپنے قلب کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو مبداءِ فیض سے بواسطہ قلب حقیقی اس میں فیض پہنچتا ہے۔ پھر یہیں سے سب جگہ اتر پہنچ جاتا ہے۔

شغل اسم ذات کا طریقہ

روزانہ صبح کی نماز کے بعد یا تہجد کے بعد یکسوئی کی جگہ بیٹھ کر اول مشائخ سلسلہ کو ایصالِ ثواب کرے جیسا کہ حصہ اول میں ذکر جہر نفی اثبات میں بیان ہوا۔ اول زبان کو تالو سے لگالے تاکہ حرکت نہ کرے۔ پھر اپنے قلب کی طرف متوجہ ہو جو کہ بائیں پستان کے نیچے واقع ہے جہاں ہر وقت دھڑکن محسوس ہوتی ہے یہاں یہ تصور باندھے کہ لفظ مبارک اللہ نہایت عاشقانہ بے چینی کے ساتھ زبان کو حرکت دیئے بغیر دل سے نکل رہا ہے کیونکہ قلب کا مقصود اور محبوب صرف اللہ تعالیٰ ہے اس لئے دل بے چین ہو کر اس کو یاد کر رہا ہے۔ مَنْ اَحَبَّ شَیْئاً اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ پس دل کی طرف متوجہ ہو کر اس قلبی لفظ یعنی اللہ اللہ ہونے کا تصور کرے۔ یعنی دل کی طرف متوجہ ہو کر وہاں سے اللہ اللہ نکلنے کی کیفیت سے مطلع ہو کر اس کی مشق کرے۔ یہ کوئی پیچیدہ و مشکل بات نہیں ہے مثلاً بغیر زبان ہلائے دل دل میں گنتی کرنا یا کسی بھی چیز کا نام لینا ہر شخص جانتا ہے، اسی طرح دل میں اللہ اللہ کرنا ہے بلکہ یہ ذکر تو وہاں خود ہی ہو رہا ہے اس ہونے کا اپنے قصد اور توجہ سے ادراک کرنا ہے اس لئے گنتی وغیرہ کرنے سے بھی زیادہ آسان ہے۔ اس میں شیخ کی تلقین کی برکت اس کی توجہ اور اس سے رابطہ بھی معاون ہے۔

اس شغل کو صبح و شام دونوں وقت کرے اور مقدار میں دو ہزار سے شروع کر کے مرشد کی ہدایت کے مطابق پانچ ہزار تک کرلے۔ جب یہ ذکر بلا تکلف یعنی بغیر خصوصی توجہ کرنے کے ہونا شروع ہو جائے تو بلا قید مقدار اپنے دوسرے کاموں کی مشغولی میں اور چلتے پھرتے اسی شغل میں مشغول رہے اور اسم مبارک اللہ کو ذات پاک سے الگ نہ جانے۔ اگر شروع میں ذات مقدسہ جو

اس اسم کا مسمیٰ ہے کی طرف توجہ کرنے میں دشواری ہو تو تشویش نہ کرے چند روز کے بعد دھیان ہونا شروع ہو جائے گا۔

ملحوظہ نمبر ۱:- اس قلبی تلفظ کو تسبیح ہاتھ میں لیکر شمار بھی کرتے رہیں اگر تسبیح رکھنے میں کوئی مانع ہو تو چند بار تسبیح پر کرنے کے بعد وقت کا اندازہ کر لے۔

ملحوظہ نمبر ۲:- جس کی طبیعت بہت منتشر ہو یا بہت غبی اور ٹھنڈی طبیعت کا ہو یا دل کسی چیز میں اٹکا ہوا ہو۔ وساوس کا بہت ہجوم ہو اور بالکل یکسوئی نہ ہو تو اس کو مرشد کی زیادہ توجہ اور صحبت کی ضرورت ہوگی۔ اس کے لئے مرشد حسب حالات اپنے سامنے بیٹھنے کا دھیان کرنے کا حکم کرے اور طالب میں خشکی کا خطرہ نہ ہو تو حبس دم اور آنکھیں بند کر کے تھوڑا سا قلب کی طرف جھک جانے کو اور ذکر مذکورہ کو جلدی جلدی بہت تیزی کے ساتھ کرنا تجویز کرے۔ اس قسم کی تدبیروں میں سب سے زیادہ مؤثر اور آسان صحبتِ شیخ کا اہتمام ہے۔ صحبت شیخ کی اس قسم کی تاثیر کا بیان آگے آرہا ہے۔

ذکر خفی نفی اثبات کا طریقہ

روزانہ بعد تہجد یا بعد فجر باوضو قبلہ رو چار زانو بیٹھیں پھر ۱۱ بار درود شریف ۱۲ بار سورۃ اخلاص پڑھ کر تمام سلسلہ کے مشائخ کو ایصال ثواب کرے اور اپنے شیخ سے اپنا قلبی رابطہ ہونے کا خیال تازہ کرے۔ اول زبان کو تالو سے لگالیں تاکہ حرکت نہ کرے۔ پھر خیال سے قوت کے ساتھ لا کو دل سے نکال کر دائیں مونڈھے پر ختم کرے پھر اِلَّا اللہ کی خیالی ضرب قلب پر اس طرح لگائے کہ اسم مبارک اللہ کو زور کے ساتھ قلب میں داخل کر کے جما دیا۔ اس میں زبان اور سر گردن وغیرہ کی کوئی ظاہری حرکت نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ دائیں مونڈھے پر سے جا کر قلب پر ضرب لگانا سب تصور ہی میں کرے۔ سانس اپنے حال پر جاری رہنے دیں اور تعداد میں تین سو سے لیکر پانچ سو تک کرے۔ اس ذکر خفی قلبی کے بعد دوسرے اوقات میں کچھ مقدار نفی اثبات کی خفی آواز سے حرکت لسانی کے ساتھ بھی ہونا چاہیئے کیونکہ نفس عالم خلق سے ہے اس لئے فنائے نفس کے لئے کچھ زبانی ذکر بھی ہونا چاہیئے اور یہ زبانی ذکر کا اضافہ مندرجہ بالا طریقہ ہی کے مطابق کرنا ہے صرف ہلکی

آواز کے ساتھ زبان کی حرکت کو شامل کرنا ہے اور یہ ذکر زبانی اور اوراد کلمہ طیبہ کی تین تسبیحات کے علاوہ ہے۔

ملحوظہ نمبر ۱:- ذکر میں معنیٰ کا لحاظ رکھنا شرط ہے یعنی کوئی مقصود سوائے ذات پاک کے نہیں ہے۔ نفی کے وقت یعنی لَا اِلٰہَ کا تصور کرتے وقت دل سے تمام ماسوا کو نکالنے کا خیال کرے اور اِلَّا اللّٰہ کے تصور کے وقت صرف ذات پاک ہی کو دل میں جمائے۔

ملحوظہ نمبر ۲:- چند مرتبہ ذکر کرنے کے بعد خیال ہی کی زبان سے نہایت خاکساری اور نیازمندی سے بے نیاز ذات کے سامنے مناجات اور التجاء کرے کہ الٰہی میرا مقصود تو اور تیری رضا ہے۔ اپنی محبت و معرفت عطا فرما۔

ملحوظہ نمبر ۳:- اپنی توجہ دل کی طرف اور دل کی توجہ ذاتِ الٰہی کی طرف رکھنا ضروری ہے۔

فائدہ ۱:- ذکر میں جب تک مشق نہ ہو جائے تو ذکر میں خیالی حرکات یعنی لَا اِلٰہَ کو دل سے کھینچ کر داہنے مونڈھے پر لے جانے کی خیالی حرکت پھر وہاں سے ظاہری کوئی حرکت کئے بغیر قلب پر ضرب لگانا۔ پھر ساتھ ہی معنی کا خیال کرنا اور چند مرتبہ کے بعد دعا کرنا اور دل کی توجہ کو ذاتِ مقدس کی طرف کرنا ان سب باتوں کا ایک ہی وقت میں لحاظ رکھنا دشوار ہوتا ہے لیکن گھبرانا نہیں چاہئیے۔ ملحوظات کو ضروری سمجھتے ہوئے ضرور عمل میں لائے خواہ پہلے ایک بات کی مشق کرے پھر دوسری کو ساتھ ملائے۔ کیونکہ نسبت کا حصول اور تزکیہ (جو ذکر میں ان طریقوں کا مقصود ہے) ان طریقوں کا لحاظ کئے بغیر مشکل ہے۔ البتہ ثواب ملنا امر دیگر ہے۔ چند دنوں مشق کے بعد سب باتوں کا لحاظ کرنا آسان ہو جائے گا۔

فائدہ ۲:- اگر ماسوا خدا کے کسی سے تعلق ہو جائے یا کوئی بُری عادت خاص طور پر دل میں جگہ پکڑلے۔ تو ذکر نفی اثبات میں اس شئی کی نفی کرے مثلاً مال کی محبت ہے تو اس کے دور کرنے کے لئے لَا اِلٰہَ کا تصور کرتے وقت یہ خیال کرے کہ میں نے مال کی محبت دل سے نکال کر پھینک دی اور اِلَّا اللّٰہ کے وقت یہ خیال کرے کہ اللہ کی محبت دل میں داخل کی۔ مگر

اس علاج (ذکر) کے بعد پھر سارا دن مال بڑھانے میں انہماک کو بقدر ہمت عملاً کم کرے ورنہ علاج کا فائدہ نہیں ہوگا اس کی تفصیل ذکر جہری نفی اثبات کے آخر میں گذر چکی۔

ذکر خفی نفی اثبات کا دوسرا طریقہ

تمام آداب وملحوظات فصل مذکورہ سابق یہاں بھی ہیں صرف طریقہ یعنی خیالی حرکات میں فرق ہے۔ پہلے طریقہ کی نسبت معمولی سا مشکل ہے لیکن مفید تر ہے۔ وہ یہ کہ لاؔ کو بذریعہ خیال ناف سے نکال کر دماغ تک لائے پھر وہاں سے الٰہؔ کو دائیں مونڈھے پر ختم کرے اِلَّا اللہ کی ضرب قلب پر لگائے جس کی تصویر خیال میں اس طرح سامنے نقشہ کے مطابق ہوگی۔

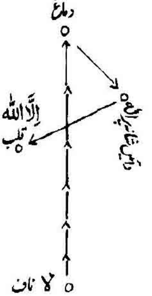

نوٹ: طریقہ سمجھانے کے لئے تصویر کے مطابق انگلی سے مقامات کی طرف اشارہ کر کے سمجھایا جا سکتا ہے۔

ذکرِ رابطہ یا طریقہ صحبتِ شیخ

یک زمانہ صحبتے با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اولیاء کی صحبت کی فضیلت میں یہ شعر اکثر پڑھا جاتا ہے لیکن عام لوگ اس کی حقیقت نہ سمجھنے کی وجہ سے اس کو مبالغہ اور شاعری ہی سمجھتے ہیں۔ اس شعر کے متعلق حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ

فرماتے ہیں کہ اس سے ہر صحبت مراد نہیں بلکہ بعض وقت اللہ والے کی کسی ایک صحبت میں کوئی ایسا گُر ہاتھ لگ جاتا ہے یا ایسا حال پیدا ہو جاتا ہے جو سو سالہ زہد اور بے ریا عبادت سے بھی پیدا نہ ہوتا اور اس کا احتمال ہر صحبت میں ہے لہٰذا ہر صحبت قیمتی ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر صحبت ایسی کیمیا اثر تھی کہ اسلام کی حالت میں ایک ہی زیارت سے صحابی کا درجہ حاصل ہو جاتا تھا۔ اب ایک طرف نائبین رسالت کی صحبتوں میں کمزوری آئی دوسری طرف مریدین میں شرائط استفادہ، ارادت و آداب صحبت وغیرہ اس درجہ کے نہ رہے اس لئے اب اس اصل کے ساتھ دوسرے اذکار و اشغال بھی ضروری ہوئے۔ (صحبت کے آداب بہت نازک اور لطیف ہیں ان کی تفصیل اور صحبت کے اثرات کی وجہ اور دلائل رسالہ محبت اور فیضِ شیخ میں اور اکابر کا سلوک و احسان کے آخر میں ملاحظ فرمائیں کہ یہاں صرف طریقہ بیان کرنا ہے۔)

اب بھی حقیقی ذکر حاصل کرنے کے لئے اصل تو صحبت ہی ہے۔ اسی لئے صوفیاء کرام کے ہاں صحبتِ شیخ کا دوسرا نام ذکر رابطہ ہے یعنی رابطہ شیخ کو بھی ذکر اللہ کے اقسام میں شمار کیا ہے۔ اس طریقہ ذکر میں ایسے احوال بھی پیش نہیں آتے جو مجاہدات اور اشغال کا ثمرہ ہوتے ہیں۔ وہ چاہے اچھے ہوں عجیب و غریب اور پُرلطف ہوں۔ مگر مقصود نہیں ہوتے اور بعض وقت خطرناک بھی ثابت ہوتے ہیں اسی طرح اس طریقہ میں شیطان کی دخل اندازی بھی کم ہوتی ہے۔ سکون و عافیت کے ساتھ راستہ طے ہوتا ہے ؎

اُن سے ملنے کی ہے یہی اِک راہ ملنے والوں سے راہ پیدا کر

اس کو ذکر میں اِس لئے شمار کیا ہے کہ حدیث پاک میں اولیاء کی یہی علامت آئی ہے کہ ان کو دیکھ کر خدا یاد آئے۔ اللہ والوں کو دیکھ کر یہ نہیں ہوتا کہ زبان پر اللہ اللہ جاری ہو جائے اگرچہ کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے، بلکہ خدا یاد آنے کا مطلب یہ ہے کہ توجہ الی اللہ ہو جاتی ہے اور یہی حقیقی ذکر اللہ ہے۔ جو کوئی چاہے شرائط صحبت کے ساتھ اللہ والوں کے پاس بیٹھ کر اس کا تجربہ کر لے اور عقلی طور پر بھی یہ ایک عام بات ہے کہ رونے والے کو دیکھ کر بلا وجہ رونا آجاتا ہے بشرطیکہ رونے والا سچے دل سے رو رہا ہو اور دیکھنے والے کا دل بالکل پتھر نہ ہو اور اس کو رونے والے سے کچھ تعلق بھی ہو یا کم از کم اس

فہرست مضامین

سے دشمنی نہ ہو۔ اسی طرح اگر کوئی ہنسنے والے کی طرف متوجہ ہو تو خواہ مخواہ ہنسی یا کم از کم چہرے پر مسکراہٹ تو آ ہی جاتی ہے، اسی طرح چونکہ ذکر اللہ، اللہ والے کا حال ہوتا ہے اس کو اللہ کی حضوری اور معیت حاصل ہوتی ہے کیونکہ بخاری شریف کی حدیث قدسی کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ الحدیث کا مطلب یہ بھی ہے کہ اس کا (اللہ والے کا) دیکھنا، سننا ہر کام اللہ کی رضا اور محبت میں ہوتا ہے اس لئے ان کی خاموشی بھی ہادی ہوتی ہے اور وہ باطن میں خاموش بھی نہیں ہوتے بلکہ قصداً بھی نہیں ہو سکتے کیونکہ ذکر اللہ اور مناجات ان کی صفت لازمہ بن گئی ہوتی ہے۔ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

شاید کوئی اِس رمز سے آگاہ نہیں ہے
باتیں تو ہیں ہر دم مگر آواز نہیں ہے

اور ذکر خفی کے بیان میں یہ حدیث گذر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو بندہ مجھے یاد کرتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اس معیت خداوندی والے سراپا ذکر کی طرف محبت سے توجہ کرنے والے میں توجہ الی اللہ کا پیدا ہو جانا ظاہر ہے اور یہی حقیقی ذکر ہے اس لئے بزرگوں کا ارشاد ہے کہ یہ طریقہ (یعنی ذکر رابطہ شیخ) بہت جلد اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا ہے اور بہت آسان ہے۔ شیخ کی توجہ اور ان کے اخلاص کی برکت سے دل غفلت سے پاک ہو جاتا ہے اور شیخ کی محبت کی کشش سے مشاہدۂ الٰہی کے انوار دل میں چمکنے لگتے ہیں۔ بندہ کو اللہ پاک سے خصوصی عشقی تعلق ہو کر ہر وقت اس کی یاد اور اس کی طاعت میں مشغولی رہتی ہے اس کو پہنچنا اور وصول الی اللہ کہتے ہیں۔

طریقہ: شیخ کی موجودگی میں آداب اور طبیعت کی رضامندی، شوق اور ان کی طرف افتقار و احتیاج دل میں رکھتے ہوئے اخذ فیض کا حریص بن کر ان کے مبارک قلب سے لطیفہ آنے کا تصور کرتے ہوئے اپنے قلب کی طرف متوجہ رہے اور شیخ کی غیر موجودگی میں ان کے تصور سے فیض یاب ہوتا رہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو خاصیتیں قلوب میں رکھی ہیں ان کے نظام کے تحت فیض آنا شروع ہو جائے گا۔ خواہ کچھ نظر آئے یا نہ آئے کیونکہ انوار کا نظر آنا کشف سے تعلق رکھتا ہے۔ البتہ

توجہ الی اللہ کا پیدا ہونا ہر کسی کو محسوس ہو جائے گا اور مجلس میں حاضری اسی وقت دے جب خود شیخ نے مجلس کا وقت دیا ہوا ہو۔ خواہ عمومی خواہ خصوصی اجازت ہو باقی اوقات میں خصوصاً جب کہ ملاقات سے شیخ کی ادنیٰ گرانی کا بھی اندیشہ ہو۔ اس وقت میں حاضری نہ دے بلکہ شیخ کی غیر موجودگی میں محبت کے ساتھ دل میں شیخ کو یاد رکھے اور شیخ کی طرف سے اپنے دل میں فیض آنے کا خیال کرتے ہوئے اپنے دل کی طرف متوجہ رہے۔ عادت اللہ جاری ہے کہ جو اپنے قلب کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو فیوض الٰہیہ اس میں آنے شروع ہو جاتے ہیں لیکن چونکہ مبداء فیاض باری عزاسمہٗ کی طرف کامل توجہ کرنے کی مبتدی میں استعداد نہیں ہوتی اس لئے شیخ کے واسطے سے کام آسان ہو جاتا ہے کیونکہ وہ ہم جنس ہے اور اس سے فی الجملہ مناسبت ہوتی ہے، اس کا اثر بھی رابطہ ہوتا ہے۔ یہ شیخ کی طرف خیال کرنا بظاہر غیر اللہ کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ مگر شیخ چونکہ مُوصل الی اللہ ہے اس لئے ان کا خیال اللہ کا خیال پیدا کرنے والا اور غیر اللہ کے خیال کو ہٹانے والا ہوتا ہے۔ جیسا کہ مثنوی شریف میں ہے ؎

چون خیال آمد خیال یار من　　　صورتش بت معنیٔ او بت شکن

یعنی میرے پیارے شیخ کی طرف خیال کرنے کی مثال حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا و علیہ السلام کے قول کی مانند ہے جو انہوں نے چاند کی طرف دیکھ کر فرمایا تھا۔ "ھٰذا ربی" کہ اس قول کا ظاہر تو شرک ہے اور حقیقت میں اس قول سے شرک کو مٹانا تھا اور "ارشاد الملوک" میں ہے کہ مرید کو یقین کے ساتھ یہ جاننا چاہیئے کہ شیخ کی روح (روحانیت) کسی جگہ میں مقید و محدود نہیں پس مرید جہاں بھی ہوگا خواہ قریب ہو یا بعید تو گو شیخ کے جسم سے دور ہے لیکن اس کی روحانیت سے دور نہیں۔ مرید جب اس مضمون کو پختگی کے ساتھ جانتے رہے گا اور ہر وقت شیخ کو یاد رکھے گا تو ربط قلب پیدا ہو جائے گا اور ہر دم (بذریعہ شیخ فیوض الٰہیہ کا) استفادہ ہوتا رہے گا۔ اسی رابطہ کی فضیلت میں حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎ "سایۂ رہبر بہ است از ذکر حق" یعنی شیخ کا خیال (تعلق باللہ کے حاصل ہونے میں) مبتدی مرید کے لئے ذکر اللہ سے بھی بڑھ کر ہے

اگرچہ ذکر فی نفسہ بزرگی اور فضیلت رکھتا ہے۔ لیکن یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس روحانی قرب اور ربط فیض کے حصول میں جسمانی قرب کو بھی دخل ہے اور حصول کے بعد تو زُ علیٰ نور ہے۔ ایک بزرگ نے کسی سے کہا کہ تم بایزید کی صحبت میں رہا کرو۔ اس نے جواب دیا کہ میں تو خدا کی صحبت میں رہتا ہوں (یعنی ذکر اللہ کرتا ہوں) اس بزرگ نے فرمایا کہ بایزید کی صحبت (تمہارے لئے) خدا کی صحبت سے اچھی ہے یعنی تو اپنے حوصلہ اور ہمت کے موافق اللہ تعالیٰ سے بے واسطہ فیض حاصل کرے گا۔ برخلاف اس کے کہ بایزید جیسے کی صحبت میں رہے گا تو ان کی اعلیٰ حوصلگی کے مطابق ذاتِ باری تعالیٰ سے فیض حاصل کر سکے گا۔ چنانچہ صحابہ کرام کی فضیلت کا راز یہی ہے کہ انہوں نے سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت اٹھائی تھی اور قرب جسمانی کے بغیر محض روحانی رابطہ سے حضرت اویس قرنیؒ گو سید التابعین ہو گئے مگر صحابیت کا مرتبہ نہ حاصل ہو سکا اگرچہ حاضری میں ان کا عذر معقول تھا۔ قرب جسمانی و تلبس سے فیوض و برکات حاصل کرنے میں قلوب انسانی میں تو بہت صلاحیت ہے لیکن نباتات اور پتھر تک بھی بزرگوں کا اثر لیتے ہیں باقی جو قلوب پتھر سے زیادہ سخت ہوں ان کی اور بات ہے کہ بعض قلوب کے پتھر سے زیادہ سخت ہونے کی خبر خود خالق قلوب جلّ شانہٗ نے اپنے کلام میں دی ہے اللہ والوں کے ملبوسات، ان کے مساکن اور مستعمل چیزوں کو اسی واسطے تبرکات کہا جاتا ہے کہ ان میں ذکر کا اثر آجاتا ہے۔ اس بارے میں اپنے ہی اکابر کے بے شمار قصے ہیں۔ یہاں ذکر کی مناسبت سے مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام کے ایک ستون کا ذکر کرتا ہوں۔ اس ستون کو اسطوانہ حنانہ کہتے ہیں۔ یہ جگہ ساری مسجد میں سب سے زیادہ متبرک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نماز پڑھنے کی جگہ ہے، اس جگہ کھجور کا وہ تنا تھا جس پر ٹیک لگا کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم منبر سے پہلے خطبہ پڑھا کرتے تھے۔ جب منبر شریف تیار ہوا اور حضور خطبہ کے لئے اس پر تشریف لے گئے تو اس ستون (کھجور کے تنے) میں سے بہت زور سے رونے کی آواز آئی۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کے رونے سے مسجد گونج گئی۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کے رونے اور اس کی حالت سے مسجد والے بھی رونے لگے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس آئے اور اس پر دستِ مبارک رکھا جس سے

اس کا رونا بند ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (یہاں اسی ارشاد گرامی کا ذکر کرنا مقصود ہے) کہ اس کے قریب اللہ کا ذکر ہوتا تھا اب منبر بن جانے سے یہ اس سے محروم ہو گیا۔ اس کی وجہ سے رو رہا ہے۔ اگر میں اس پر ہاتھ نہ رکھتا تو یہ قیامت تک اسی طرح روتا رہتا۔ اس کے بعد اس کو دفن کر دیا گیا۔ (فضائل ذکر)

دستِ مبارک کے تلبّس اور خصوصی توجہ سے اس کی تسکین ہو گئی۔ قربِ جسمانی، غائبانہ رابطہ اور تصورات یہ سب محض صورت کے درجہ میں ہیں ان سب کی روح محبت ہے، محبت ہی سے حقیقی معیت حاصل ہوتی ہے اور فیض منتقل ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔ یعنی آدمی کو جس سے محبت ہوتی ہے اسی کے ساتھ ہوتا ہے۔ صوفیاء کی اصطلاح میں تصورِ شیخ یعنی غائبانہ رابطہ کی حقیقت بھی یہی محبت ہے جس سے روحانی معیت ہو کر فیض آتا ہے اور جو شیخ کا صوری تصور کرایا جاتا ہے۔ اس کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ وہ کبھی محبت کے پیدا ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے اس کے علاوہ وہ بعض اوقات وساوس وغیرہ کے علاج کے طور پر بھی تجویز کیا جاتا ہے کیونکہ ایک خیال دوسرے خیال کو ختم کر دیتا ہے اور شیخ کا خیال جتنا دوسرے کسی اور خیال کی بنسبت بوجہ تعلق و عظمت کے آسان ہوتا ہے اور ذکر اللہ کی طرف متوجہ کرنے والا بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا۔ لیکن کبھی کبھی خیال کی قوت سے شیخ کی صورت مثالیہ بالکل سامنے آجاتی ہے اس وقت کم علم اور کم فہم طالب کو شیخ کے متعلق حاضر ناظر وغیرہ غلط خیالات پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس لئے آج کل بدفہمی اور کم علمی کے دور میں عام طور پر اس شغل کو نہیں کرایا جاتا۔ بس اصل چیز شیخ سے محبت و تعلق کو بڑھانے کی فکر کرنا چاہیئے جس کے لئے اول قدم تو شیخ کے انتخاب کا وقت تھا کہ اپنی مناسبت والے شیخ سے بیعت ہو۔ اب شیخ کے کمالات علمیہ اور عملیہ اور ان کے احسانات خصوصاً یہ کہ وہ میرا واسطہ موصل الی المحبوب ہے اور وہ میرے ذاکر بننے اور میرے مذکور رب العالمین بننے کا ذریعہ ہے اس کو سوچا کرے پھر صورت کے تصور کی ضرورت نہیں البتہ بغیر صورت کے دل میں شیخ کا دھیان رکھنا اور یہ خیال کرنا کہ ان کے قلب سے میرے قلب میں فیض آرہا ہے بہت مفید ہے اور

خود بخود شیخ کی صورت کا دھیان آ جانا بھی مبارک ہے۔

شیخ کی صحبت میں مندرجہ بالا طریقہ پر متوجہ ہو کر بیٹھنا اور فیض آنے کا تصور کرنا انہیں حضرات کے لئے ہے جو صرف مخصوص اوقات میں یا مجلس شیخ میں تھوڑی دیر کے لئے حاضری دیں اور مجلس بھی خاموش ہو۔ اگر کسی کو ہر وقت کی حاضری نصیب ہو تو اس کے لئے اخذِ فیض کی صرف نیت ہی کافی ہو جاتی ہے توجہ کر کے بیٹھنے کے خصوصی اہتمام کی ضرورت نہیں بلکہ خدمت شیخ یا اپنے معمولات میں مشغول رہے البتہ محبت، ارادت اور عدم اعتراض۔ حدیثِ نفس سے احتراز وغیرہ آداب ضروری ہیں ورنہ کسی بڑے سے بڑے کی صحبت بھی کچھ نفع نہ دے گی بلکہ نقصان اور شقاوت کا باعث بنے گی ۔

ہر کرا روئے بہ بہبود نہ بود　　دیدن روئے نبی سود نہ بود

یعنی وہ شخص جس کا ارادہ ہی نیکی کا نہ ہو تو اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے بھی کیا فائدہ؟

مجلس شیخ میں درس کتاب کے وقت بیٹھنے کا طریقہ

اگر مجلس میں کوئی کتاب پڑھی جاتی ہو یا شیخ خود کچھ فرما رہے ہوں تو اُسی کو متوجہ ہو کر سننا چاہئے فیض اور نور اسی کلام کے ذریعہ حاصل ہوگا کیونکہ الحکم میں ہے کہ جو کلام کسی متکلم سے ظاہر ہوتا ہے ضرور اس پر اس (متکلم) کے قلب کا نورانی یا تاریک لباس ہوتا ہے جس سے وہ پیدا ہوا۔ لہٰذا شیخ کا کلام سننے سے دل میں نور آئے گا۔

اگر کسی کو اپنے دل کی طرف متوجہ رہنے اور شیخ کی طرف سے فیض آنے کے تصور میں بالکل مناسبت نہ ہو اور خیال میں بالکل یکسوئی نہ ہو سکتی ہو اور خاموش مجلس میں خاموش بیٹھنے سے دل میں اپنے ہی آپ سے باتیں شروع ہو جاتی ہوں اور نفس فضول باتیں شروع کر دے یا دل دوسری طرف مشغول ہوتا ہو تو ایسے آدمی کو مجلس میں آہستہ آہستہ کوئی سے ذکر میں مشغول ہو جانا چاہئے خواہ دل

فہرست مضامین

سے اللہ اللہ کرے یا درود شریف کا ورد رکھے اور آج کل اس راستے کے نئے لوگوں کا اکثر یہی حال ہوتا ہے۔

شیخ سے فیض یاب ہونے اور فیض کو باقی رکھنے میں تین اہم امور

(۱) شیخ سے تعلق کی نوعیت میں احتیاط (ماخوذ از ملفوظ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ)

جب تک شیخ سے گہری محبت پیدا نہ ہو جائے اس وقت تک اس سے اپنا تعلق صرف اللہ کی جانب کا رکھے اور صرف اسی لائن کے اقوال و افعال اور احوال سے سروکار رکھے باقی دوسری لائنوں کی مثلاً معاشی اور خانگی اور ذاتی باتوں سے بے تعلق بلکہ بے خبر رہنے کی کوشش کرے کیونکہ یہ شیخ کا اپنا بشری حصہ ہے اور شیخ چاہے کتنا بڑا ہو معصوم نہیں ہوتا لامحالہ ان کے درجہ کے لحاظ سے نہ کہ ہمارے درجہ کے لحاظ سے اُس میں کچھ کدورتیں ہو سکتی ہیں اور بعض باتیں گو واقع میں قابلِ اشکال نہ ہوں مگر عدم تحقیق کی بنا پر بدفہم اور کمزور محبت والے کے لئے قابلِ اشکال ہو جائیں گی اور بعض قابلِ اشکال امور میں شیخ کی کوئی مجبوری یا کوئی اہم مصلحت ہوگی جو مرید پر ظاہر نہیں تھی اور جب مرید اپنی توجہ ان امور کی طرف کو چلائے گا تو لامحالہ اوقات اعتراض پیدا ہوگا جو بُعد اور محرومی کا باعث بن جائے گا۔ کیونکہ اس راستے میں ذرا سا اعتراض اور خرخشہ سمِ قاتل ہے۔ فیض کا بند ہونا کیا بعض وقت شیخ سے نسبت ہی قطع ہو جاتی ہے اور اس حالت کے باوجود اگر توجہ سے کسبِ فیض کرنا چاہا تو وہ فیض قلبی کدورت سے گندلا ہو کر آئے گا اور مرید کا قلب بجائے انوار کے ظلمت سے بھر جائے گا۔ اعوذ باللہ من الحور بعد الکور۔

کیفیتِ آمدِ فیض

اس کا مفصل حال تو بندہ کے رسالہ فیضِ شیخ میں ملاحظہ کریں یہاں مختصر لکھا جاتا ہے کہ اگر تین باتیں اول شیخ کا کامل اور صاحبِ نسبت قوی ہونا دوم طالب کو مناسبت اور محبت ہونا سوم طالب

کو ارادت ہوتا ہوں تو تین باتیں حاصل ہوں گی اوّل اللہ کی یاد اور اس کی طرف توجہ ہو جانا۔ دوم دنیا کی محبت اور اس کے فکر میں کمی آنا سوم اللہ کی محبت اور آخرت کی فکر بڑھنا۔

فیض یا اثر آنے کی یہ موٹی علامات اجمالی طور پر ہیں باقی شیخ کے قلبی احوال مثلاً توحید یقین توکل تواضع تقویٰ خوف و محبت زہد وغیرہ اسرار انوار و اثرات آتے ہیں سکون قلب حاصل ہوتا ہے وساوس دور ہوتے ہیں۔ یہ اثرات اور فیض تو حسب استعداد ہر کسی کو حاصل ہوتے ہیں اور محسوس بھی ہوتے ہیں۔ اور یہی مقصود ہے باقی بعض کشف سے مناسبت رکھنے والی طبیعتوں کو یہی مذکورہ اثرات ایک نور کی شکل میں آتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور کبھی نور کی بجائے مثل ہوا اور مثل بارش کی پھوار اور کبھی بعض اوقات قلب میں سرور جوش اور وجد کی کیفیت بھی ہو جاتی ہے۔

(۲) صحبت شیخ کا کامل اور دیرپا اثر حاصل کرنے کا طریقہ

صحبت شیخ کا کامل اور دیرپا اثر یا فیض انہیں لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو شیخ کے بتلائے ہوئے ذکر کی پابندی کرتے ہیں۔ ذاکر کے انوار سے شیخ کے انوار حسنہ، انوار فہم و معرفت کو جذب کرنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ یہ سلوک کے اذکار قلب کی صفائی ہی کے لئے تجویز ہوتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ شیشہ (قلب) جتنا صاف ہوگا اس میں شیخ کے قلبی نور کا انعکاس زیادہ ہوگا اور انوار یا فیض زیادہ آوے گا۔ پھر وہ انوار آکر واپس نہیں جائیں گے بلکہ طالب کے قلب میں ٹھہر جائیں گے۔ ورنہ جب صحبت کی تاثیر سے ظاہر قلب کے اندر انعکاس انوار کی کچھ استعداد پیدا ہو جاتی ہے تو شیخ کے انوار تو قلب میں آتے ہیں لیکن قلب کے اندرونی حصہ میں دنیا کی چیزیں اور گندگیاں بھری ہوئی ہوتی ہیں اس لئے وہ بھرا ہوا قلب ان انوار کو سما نہیں سکتا لہٰذا شیخ سے جدا ہوتے ہی وہ انوار جہاں سے آتے ہیں وہیں واپس ہو جاتے ہیں۔ جیسے پیالے میں پہلے سے کوئی چیز بھری ہوئی ہو تو جب دوسری چمکدار چیز اس کے مقابل آئے گی تو پیالے میں اس کا کچھ عکس تو پڑے گا پیالے میں روشنی محسوس ہوگی مگر وہ چمکدار چیز اس میں داخل نہیں

ہوسکیگی لہٰذا صحبت کے ساتھ صفائی قلب کے ایسے اذکار و اشغال بھی ضروری ہیں البتہ قوی النسبت کی پورے شرائط کے ساتھ طویل صحبت کے ساتھ بھی قلب غفلت اور کدورتوں سے پاک ہو جاتا ہے مگر چونکہ یہ تاثیر شاذ ہے کیونکہ طرفین میں کسی طرف شرائط کی کمی رہ جاتی ہے۔ اس لئے صحبت کے ساتھ اذکار کی بھی ضرورت ہے۔

(۳) توحید مطلب

اس راستے میں نہایت اہم اور ضروری چیز توحید مطلب ہے اس کی اہمیت اور مفصل حال بھی رسالہ فیض شیخ میں ملاحظہ فرمائیں یہاں اس کے متعلق ایک کثیر الوقوع مسئلہ بیان کرتا ہے۔

توحید مطلب اس کو کہتے ہیں کہ اپنے شیخ کے متعلق یقین رکھے کہ دنیا میں اس کے علاوہ مجھ کو مطلوب تک کوئی نہیں پہنچا سکتا گو اس زمانہ میں دوسرے مشائخ بھی ہوں اور انہیں اوصاف کاملہ سے متصف بھی ہوں مگر میرا منزل مقصود تک پہنچنا صرف اس ایک کی بدولت ہوگا اس لئے توحید مطلب سلوک کا بڑا رکن ہے۔

مسئلہ

اگر شیخ خود ہی اپنے کسی مرید کو کسی دوسرے شیخ یا اپنے کسی خلیفہ کے سپرد کردے۔ یہ سپردگی صراحتًا ہو یا کسی عذر کی بنا پر شیخ سے براہِ راست تعلیم و تربیت کا تعلق ممکن نہ ہو اور شیخ کی طرف سے اس کی اجازت ہو کہ اس کے خلفاء میں سے اپنی مناسبت کے لحاظ سے کسی ایک سے اپنی تربیت کا تعلق قائم کرے تو یہ بات توحید مطلب کے خلاف نہ ہوگی۔ مگر اب اس کو شیخ ہی کے قائم مقام سمجھ کر تعلیم کا تعلق صرف اسی لئے رکھے یعنی توحید مطلب کے اصول کو اس سے متعلق کردے۔ حتیٰ کہ کبھی اصل شیخ سے ملاقات ہو جائے تب بھی اپنی تربیت کے متعلق اس سے کوئی سوال نہ کرے۔ بلکہ واسطے ہی سے رجوع رکھے ہاں اگر واسطے کو اپنے شاگرد کے متعلق اصل شیخ سے کچھ رہنمائی کی ضرورت

پڑے گی تو وہ خود پوچھ لے گا۔

اپنے شیخ اور رہنما کے علاوہ دوسرے مشائخ حقہ سے تعلق کی نوعیت۔

ان حضرات کی زیارت کرنا۔ اِن سے دعائیں لینا۔ محبت رکھنا۔ کسی دینی کام میں ان کے ساتھ مل کر کوئی خدمت کرنا۔ یہ سب امور توحید مطلب کے خلاف نہیں۔

اِسی طرح شیخ کی غیر موجودگی میں اپنے شیخ کے ہم مسلک، ہم مذاق اور شیخ کے عقیدت مند دیگر مشائخ کی صحبت میں برکت کے لئے بیٹھنے کا بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ان سے اپنی اصلاح و تربیت کے بارے میں کوئی سوال نہ کرے اور ان سے ایسی طلب نہ رکھے اور وہاں جو فیض صحبت محسوس کرے اس کو اپنے ہی شیخ کی طرف سے سمجھے جس کے ملنے کا باعث دوسرے بزرگ کی برکت ہو سکتی ہے جیسا کہ مسجد وغیرہ متبرک مقام اور متبرک اوقات میں اپنے اعمال ذکر و تلاوت وغیرہ کا فیضان بڑھ جایا کرتا ہے اسی طرح کبھی اولیاء کی قبور سے کچھ فیضان آوے تو اس کو بھی اپنے شیخ ہی کا فیض سمجھے جس کے آنے کا باعث صاحب قبر کی برکت ہوئی۔ اس اصول کی خلاف ورزی مبتدی کے لئے تو بہت ہی مضر ہے اور منتہی صاحبِ نسبت پہلے شیخ کی عظمت و احسان کو برقرار رکھتے ہوئے دوسری جگہ سے بھی فیض حاصل کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ پہلے شیخ کو ناگوار نہ ہو کیونکہ یہ اس کی پرورش کی ہوئی اولاد ہے اور اس کی چیز ہے اور بعض بزرگ طبعاً اپنے ہی سلسلہ کا انتشار چاہتے ہیں یہ بات ان کے اخلاص کے منافی نہیں کیونکہ اپنے سلسلہ سے محبت ہونا طبعی چیز ہے۔ اس مسئلہ میں خواجہ معصومؒ کے ارشادات میں ہے کہ جو ایک جگہ تعلق رکھتا ہے۔ وہ سب جگہ سے فیض یاب ہو جاتا ہے۔ اور جو کئی جگہ سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ کسی جگہ سے بھی فیض حاصل نہیں کر سکتا۔

فیضِ شیخ کو باقی رکھنا

مجلس شیخ سے جو فیض حاصل ہوا اس کو باقی رکھنے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک قلت اختلاط مع الانام دوسرے معمولات کی پابندی۔ (تربیت السالکین)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

فصل۔ سلسلہ قادریہ جیلانیہ کے اذکار و اشغال کے بیان میں

حضرات چشتیہ اور قادریہ کے ابتدائی اذکار و اشغال میں بہت کم فرق ہے یہاں تک کہ دونوں کے اذکار عموماً مخلوط ہو گئے ہیں۔ اسی لئے دونوں سلسلوں کے مشائخ بغیر کسی خاص مصلحت و مناسبت کے بھی طالب کو ایک دوسرے سلسلہ کا ذکر تلقین فرما دیتے ہیں۔

کلمہ طیبہ کا ذکر

شروع میں کلمہ طیبہ کی بہت کثرت کرائی جاتی ہے۔ کلمہ طیبہ معمولی آواز سے اِس طرح تعلیم فرمایا جاتا ہے کہ لا الہ کو پوری طاقت سے بدن کے اندر سے کھینچ کر الا اللہ کی ضرب دل پر لگائے اور اسی طرح دن رات خلوت میں جس قدر ہو سکے اِس ذکر کی تکرار کرتا رہے اور ہر سَو کے بعد ایک مرتبہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ لے۔ اس کی مزاولت سے جب اس میں محویت حاصل ہو جائے تو نفی اثبات مندرجہ ذیل طریقہ پر کرایا جائے۔

نفی اثبات کا طریقہ

رو بقبلہ دو زانو بیٹھ کر آنکھیں بند کر کے پوری طاقت سے لا کو ناف کے نیچے سے کھینچ کر باہر لائے اور داہنے شانہ تک پہنچا کر ام الدماغ سے نکال دے اور الا اللہ کی بہت زور سے قلب پر ضرب لگائے۔ اور سانس توڑ دے اور بار بار جرم دے یا منہ باقی رکھے مگر سانس توڑ دے اور لا الٰہ کہتے وقت خیال کرے کہ سوائے خدا کے کوئی موجود نہیں ہے نہ کوئی مقصود اور نہ کوئی معبود تاکہ غیر اللہ کا خیال جاتا رہے اور الا اللہ سے صرف اللہ پاک کے وجود کا خیال دل میں جمانے۔ مقدار

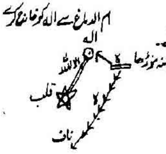

میں پانچ سو بار یا زیادہ کرے۔ اللہ پاک کے وجود کا خیال دل میں جائے۔

اِس طریقہ میں حرکات کی شکل

اِسم ذات باضربات کا طریقہ

نفی اثبات کے بعد اسم ذات باضربات کرے اس کا طریقہ یہ ہے کہ یک ضربی میں لفظ اللہ کی پوری قوت اور زور سے ضرب دل پر لگائے پھر ٹھہر جائے تاکہ سانس ٹھہر جائے پھر دوسری ضرب لگائے اسی طرح مشق کرے اور دو ضربی میں پہلی ضرب دائیں گھٹنے پر دوسری قلب پر اور سہ ضربی میں پہلی دائیں گھٹنے پر دوسری بائیں پر اور تیسری قلب پر اور چہار ضربی میں پہلی دوسری دائیں بائیں گھٹنے پر تیسری سامنے اور چوتھی قلب پر لگائے لیکن یک ضربی دو ضربی اور سہ ضربی میں دو زانو اور چہار ضربی میں چوزانو بیٹھنا چاہیئے اور مقدار حسب طاقت شیخ مقرر کردے۔ چاہے ہر ایک کی ایک ایک تسبیح کرے۔

شغل اِسم ذات

یہ حضرات کلمہ طیبہ کی کثرت معمول آواز سے پھر نفی اثبات بطریق مذکور کرانے کے بعد اسم ذات خفیہ (خفی بلا حرکت لسان) تعلیم فرماتے ہیں اس کا طریقہ یہ ہے کہ زبان کو تالو سے ملائے تاکہ حرکت نہ کرے اور جس قدر ہو سکے قلب سے اللہ اللہ کہے اور رات دن تصور رکھے۔ تاکہ پختہ خیالی حاصل ہو اور ذکر میں کوئی زحمت نہ ہو۔

پاس انفاس بذریعہ اسم ذات

سانس لیتے وقت ناف پر اسم ذات لفظ مبارک اللہ کا تصور کرے اور ہُو کو خیالی طریقہ سے

دراز کرکے آسمان پر لے جانے اسی طرح ہر سانس میں کرے۔ پاس انفاس کا مفصل حال فضیلت اور ملفوظات وغیرہ سلسلہ چشتیہ کے اشغال میں بیان ہو چکا یہاں تو کو دراز کرکے آسمان پر لے جانے کے لفظ سے گھبرائے نہیں۔ کچھ بھی مشکل نہیں کہ صرف خیال ہی تو کرنا ہے۔

پاس انفاس بذریعہ نفی اثبات کا طریقہ

سانس باہر کرتے وقت لاالٰہ اور لیتے وقت اِلا اللہ دل سے کہے۔ ایک دو دفعہ تکلف سے کرنا ہوگا پھر سانس کی یہی ترتیب چل پڑے گی۔ ترتیب کی تفصیل اشغال چشتیہ میں ملاحظہ کریں۔

مراقبہ

اس میں ماسوی اللہ کی یاد سے وغیر حق سے دل کو محفوظ رکھنا ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس آیت یا کلمہ کا مراقبہ منظور ہو اس کو پہلے زبان سے کہے اور اپنے کو ذلیل و کمترین سمجھ کر با ادب قبلہ رُو دو زانو بیٹھے اور غیر خدا کو دل سے صاف کرکے اس آیت کے معنی کے تصور میں منہمک ہو جائے مثلاً کل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذی الجلال والاکرام کو زبان سے کہے اور دل میں اس کے معنیٰ کو مضبوط کرے پھر اپنے کو بالکل مردہ اور خاک خیال کرے اور آسمان شگاف دار اور تمام دنیا کو درہم برہم تصور کرے اور صرف خدا کی ذات کو موجود اور باقی خیال کرے جب اس میں محویت ہو جائے تو کچھ روز بعد کسی دوسری آیت کا اس طرح مراقبہ کرے مثلاً اللہ نور السمٰوٰت والارض کا تصور کہ خدا کا وجود ہر جگہ ہے اس کا نور بھی تمام عالم میں ہے پھر اسی نور کے تصور میں مستغرق ہو جائے۔

مراقبات کا اصل مقصود توجہ الی اللہ میں یکسوئی پیدا کرنا ہے۔ اتنے ہی پر اکتفا کرے باقی زیادہ اہتمام ذکر۔ اوراد اور دیگر مقصودہ عبادات تلاوت نوافل وغیرہ کا کرے۔

مراقبہ مذکورہ سے آگے مراقبہ توحید تعلیم کیا جاتا ہے جس کے اقسام میں مراقبہ توحید افعالی، مراقبہ توحید

صفاتی اور مراقبہ توحید ذاتی ہیں جن کو اختیار کرنے میں بہت اونچی استعداد۔ علم عقائد کی پختگی اور فہم سلیم اور شیخ کامل کے ساتھ غیر معمولی ربط و انقیاد تام کی ضرورت ہے آج کل ان سب باتوں میں عام طور پر کمی ہوتی ہے جس کی وجہ سے ان مراقبات کو کرنے میں شدید دینی اور جانی نقصان کا خطرہ ہے اس لئے یہاں بیان نہیں کیئے جاتے کہ اس رسالہ میں اختصار۔ تسہیل اور صرف ابتدائی و عمومی اشغال لکھنے کا ملحوظ رکھا گیا ہے اگر کوئی ضروری ہی سمجھے تو اکابر کی کتب ضیاء القلوب وغیرہ میں دیکھ لے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان مراقبات کا مقصود اور اُن کی کیفیت اکثر اوقات ذکر شغل میں پوری محنت اور شیخ کی توجہات ہی کی برکت سے خود ہی حاصل ہو جاتا ہے اور احوال کو سلوک کا منتہا خیال کیا جاتا ہے اس کو سیر فی اللہ بھی کہتے ہیں جس میں ترقی کی کوئی انتہا نہیں۔

فصل۔ مشائخ کے توجہ دینے کا طریقہ اور اسکی شرائط و اقسام

شرائط توجہ

حضرات مشائخ نے نسبت کے حصول کے لئے جس طرح ذکر کے اثرات کو بڑھانے کے کچھ طریقے مقرر فرمائے اور بیان کئے ہیں اسی طرح توجہ سے نفع پہنچانے کے بھی مختلف طریقے بیان کیئے ہیں۔ اس کو صَرفِ ہمت بھی کہا جاتا ہے اور اکثر یہ توجہات تصرفات کی قسم سے ہوتی ہیں۔ جن میں بعض اختیاری اور بعض غیر اختیاری ہوتی ہیں۔ ان میں کچھ شرائط توجہ دینے والے کے اندر ہونا ضروری ہیں۔ مثلاً اس کا قوی النسبت ہونا اور طالب سے تعلق ہونا اور اس کام کی مشق و قوت نفسانیہ کا ہونا۔ اور اللہ کے لئے ماسوٰی کی طرف متوجہ ہو سکنے کا حال ہونا اور کچھ شرائط طالب میں ہونا ضروری ہیں مثلاً اس کا بھی شیخ کی طرف متوجہ ہونا، اعتراض نہ کرنا۔ شیخ سے مناسبت، محبت اور تعلق ہونا، ذکر شغل سے قلب میں کچھ صفائی پیدا کر لینا اور اس طلب میں کچھ مجاہدہ اختیار کرنا اور طرفین کی طرف سے کسی

دوسرے مانع کا نہ ہونا مثلاً عدم مناسبت اور شیخ پر دل میں کوئی اعتراض اور خرخشہ وشبہ کرنا یا شیخ کی طرف سے تکدر ہونا خواہ وہ تکدر غیر اختیاری ہو بلکہ کسی غیر واقعی بات کی وجہ سے کیوں نہ ہو گیا ہو۔

توجہ متعارف کا طریقہ

مشائخ کے یہاں خصوصاً مشائخ نقشبندیہ کے یہاں توجہ کا متعارف طریقہ اس طرح ہے کہ شیخ مرید کو اپنے سامنے مؤدب بٹھلائے۔ مرید با وضو ہو اور سرنگوں دوزانو آنکھیں بند کر کے یہ تصور کرے کہ پیرو مرشد توجہ دینے والے کا فیض میرے قلب پر آرہا ہے۔ شیخ اپنے دل سے تمام خیالات نکال کر جس مضمون کا اثر ڈالنا ہو مثلاً ذکر۔ یا محبت الٰہی یا خشیت الٰہی یا طالب کے قلب سے کسی غیر اللہ چیز کو دور کرنا وغیرہ اس کی آرزو و طلب کو خوب مضبوط کرے یعنی دل کی گہرائی سے یہ چاہے کہ ایسا ہو جائے اور مرید کو یہ چیز حاصل ہو جائے مثلاً یہ کہ اس کے قلب میں اللہ اللہ ہونا شروع ہو جائے۔

پھر اس حالت میں اور اس جذبہ سے طالب کی ذات کی طرف متوجہ ہو کر گویا اپنی ذات یا اپنے دل کو طالب کے دل کے ساتھ متصل کر دیا۔ تصور سے۔ اور اپنے دل کو اس کے دل کے ساتھ یا دوسرے لفظوں میں اپنی ذات کو اس کی ذات کے ساتھ خیالی زور سے ٹکرائے گویا اس کی ذات کے اندر گھس گیا۔ جیسے محبت سے مخمور ہو کر عاشق اپنے معشوق کو دبا کر یک جان ہو جانا چاہا کرتا ہے۔ جب اتنا کام ہو جائے تو اس کے بعد خیال کرے کہ میری کیفیت ذکر یا کیفیت محبت وغیرہ یعنی میری نسبت یا سلسلہ کے فیوض اور انوار طالب میں سرایت کر رہے ہیں۔

ملحوظہ نمبر ۱:۔ اگر صحبت لمبی ہو تو مندرجہ بالا طریقہ کا اہتمام کر لینے کے بعد شیخ اپنے ذکر اور اپنی نسبت یا اپنے کسی کام میں مشغول رہے کسی کسی وقت سرسری طور پر طالب کا خیال کر لے کہ یہ اس مقصد سے بیٹھا ہے۔

غائبانہ توجہ دینا

ملحوظہ نمبر ۲:۔ اگر مرید موجود نہ ہو تو اس کا تصور کر کے طریق مذکور کے مطابق توجہ کر لے اور

اُسے فائدہ پہنچانے۔ انشاءاللہ فائدہ پہنچے گا اگرچہ مرید سینکڑوں کوس پر ہو۔ اسی طرح اگر مرید بھی غائبانہ فیض حاصل کرنا چاہے تو وہی مذکورہ آداب و تصور باندھ کر بیٹھے جیسا کہ کسی وقت توجہ لینے کے لئے شیخ کے روبرو بیٹھا تھا۔ شیخ کو چاہیئے مُرید کی اس حالت کا علم بھی نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ اس رابطہ اور وسیلہ کی برکت سے شیخ کا فیض پہنچا دے گا کہ مرید شیخ کی حقیقت اور روحانیت سے دور نہیں ہوتا۔ غیبت اور حضوری کا فرق صرف اس لئے ہوتا ہے کہ حضوری میں رابطہ اور توجہ و ادب کامل طور پر حاصل ہو جاتا ہے اور دوری میں کمی رہ جاتی ہے دوسرے ابدان کی برکت اور اثر بھی شامل ہو جاتا ہے۔

ملحوظہ نمبر ۳: اس طریقہ توجہ میں نسبت وغیرہ اہلیت و شرائط کے علاوہ مشق کی بھی ضرورت ہے مشق اور عادت کے بعد معمولی صاحب نسبت بھی اس عمل کو بخوبی کر سکتا ہے جب کہ بغیر مشق کے قوی النسبت کے لئے یہ عمل مشکل ہوتا ہے۔ البتہ بعض وقت کسی خاص اثر و جذبہ کی وجہ سے غیر اختیاری طور پر ہر بزرگ سے توجہ کا ثمرہ ظاہر ہو سکتا ہے جس کے لئے کسی طریقہ کی ضرورت نہیں۔

ملحوظہ نمبر ۴: اس طریقہ توجہ میں شیخ کی قوت نسبت کے ساتھ قوت نفسانیہ کی بھی ضرورت ہے جو کہ فناء نفس کے بعد باقی رہتی ہے بلکہ بڑھ جاتی ہے البتہ جب بڑھاپے وغیرہ کے باعث شیخ بہت ضعیف ہو جائے تو وہ نہیں رہتی۔

اُس وقت مندرجہ بالا مخصوص طریقہ پر وہ کثرت سے اور زیادہ طالبوں کو توجہ نہیں دے سکتا۔ لیکن اگر اس وقت شیخ کی نسبت باطنی بہت بڑھ گئی ہو تو توجہ کی جگہ اس کی برکت کام کرتی ہے اور اس کا سارا بدن اس بارے میں قلب کے حکم میں ہو جاتا ہے اس کا کسی چیز پر محض نظر پڑ جانا یا بدن کا چھو جانا مخصوص قلبی توجہ کے قائم مقام ہو جاتا ہے اور صرف مرید ہی کا شیخ کی طرف متوجہ ہونا کافی ہو جاتا ہے۔ ہزاروں کے مجمع میں ایسے شیخ کا محض وجود ہی نفع دیتا ہے۔ البتہ طالبوں میں طلب کی مذکورہ بالا شرائط پائی جانا ضروری ہیں۔

توجہ متعارف کے اثرات کی نوعیت

متعارف توجہ بطریق مذکور کا اثر فوری اور محسوس طور پر ہوگا لیکن یہ اثر وقتی ہوتا ہے اس لئے یہ عمل طالب کی قوت برداشت کا لحاظ کر کے کرنا چاہئیے۔ ورنہ جسمانی بلکہ دینی نقصان کا بھی خطرہ ہوتا ہے مثلاً اثر کے فوراً زائل ہو جانے سے قبض سا ہو کر اعمال میں سستی کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس توجہ کا فائدہ طالب کو تھوڑا سا ذائقہ چکھانا اور متوجہ کرنا ہوتا ہے لیکن دوا یا غذا کے محض چکھنے سے صحت وقوت حاصل نہیں ہوتی اس لئے مسلسل توجہ حاصل کرتے رہنے کی ضرورت ہوتی ہے اور توجہ کے اثرات کو قائم رکھنے کے لئے طالب کو اعمال اختیار یہ یعنی اذکار اشغال بھی کرنے پڑتے ہیں۔

آج کل چونکہ عام طور پران دونوں باتوں میں لاپرواہی برتی جاتی ہے اور وقتی لذت ہی کو کافی سمجھا جاتا ہے اس لئے اکثر اکابر نے اس طرز توجہ کو چھوڑ دیا ہے اور بعض کاملین غیراللہ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو ہی نہیں سکتے گو اس طریقہ سے طالب کی طرف متوجہ ہونا للہ فی اللہ ہی ہے۔ مگر براہ راست توجہ الی اللہ سے ہٹ کر دوسری طرف توجہ کرنا ان کو مشکل ہوتا ہے اس بات کو کہا گیا ہے "عارف را ہمت نبا ر د" اس لئے اکابر کے یہاں توجہ کا دوسرا طریقہ ہے جو آگے آرہا ہے۔ لیکن یہ مناسبت اور مصالح میں اپنا اپنا اجتہاد اور طریقہ ہے جیسے کہ ذکر کے مختلف طریقے ہیں۔ لہٰذا مشائخ حقہ کے کسی طریق پر اعتراض نہ کرے۔ اپنے اپنے اصول کے مطابق یہ چیزیں پہلے سے مجرب ہیں اور اب بھی نفع ہو رہا ہے۔

دیگر اکابر کے یہاں توجہ کے دوسرے طریقے کا بیان

اس طریقہ میں توجہ کا اثر فوری اور نمایاں طور پر کم ہوتا ہے بلکہ بتدریج ہوتا ہے لیکن مفید اور دیرپا ہوتا ہے۔ اس توجہ سے مرید میں جو تبدیلی آتی ہے وہ قائم رہتی ہے اور اسی کو اصلاح کہتے ہیں۔ توجہ کا یہی طریقہ حضرت اقدس شیخ کا عام معمول ہے۔ اس طریقہ میں توجہ کا مطلب وہی ہے جو عام بول چال

فہرست مضامین

میں توجہ کا مفہوم سمجھا جاتا ہے یعنی کسی کی ترقی اور اصلاح کے لئے فکر اور خصوصی التفات کرنا۔ اس بعد کے لئے طالب کو مفید مشورے اور ہدایات دینا اور اللہ سے دعا کرنا۔ اس کی نگرانی کرنا۔ جیسے استاد کا شاگرد پر توجہ کرنا اور ماں باپ کا اولاد کی ظاہری تربیت میں توجہ کرنا ہوتا ہے اسی طرح اور اسی معنی میں مرشد کا مرید کی باطنی تربیت و اصلاح اور ترقی میں توجہ کرنا ہوتا ہے۔ لیکن مرشد کی توجہ میں جو اثر ہوتا ہے اس میں کچھ مخفی اثرات بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ مشائخ کے افکار اور توجہات توجہ الی اللہ سے متحد ہوتے ہیں اور ان کے قلوب تجلیات اور نظر باری تعالیٰ کے محل ہوتے ہیں جب ان مبارک اور نورانی قلوب میں کسی خوش قسمت کا خیال اور فکر آ جاتا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نواز دیا جاتا ہے۔ جہاں روشنی اور گرمی پڑ رہی ہو وہاں جو چیز جائے گی روشن ہو جائے گی اور حسب استعداد روشنی اور گرمی قبول کرے گی۔ اس لئے جس کام میں شیخ کی توجہ ہو اگر مرید بھی اسی میں مشغول ہو جائے تو اس کو زیادہ نفع ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ مشائخ میں حقیقی تواضع ہوتی ہے وہ اپنے اندر اپنا کوئی کمال نہیں دیکھتے ان پر جن انعامات کا کھلا ظہور ہوتا ہے ان سب خوبیوں کو اپنے مالک کی طرف منسوب کرتے ہیں اسی لئے کبھی انعامات کو سن کر خوش بھی ہوتے ہیں اور خود بھی بیان کر دیتے ہیں۔ جو حدیث نعمت کہلاتی ہے۔ مگر ان خوبیوں کا جائے ظہور چونکہ ان کی ذات ہوتی ہے جس میں یعنی ان کی ذات میں عدم اور وجود ظلی دونوں جمع ہیں۔ جس کا اصلاً عدم ہونا ان کے پیش نظر ہوتا ہے۔ اور عدم اپنی ذات کے لحاظ سے شر محض ہوتا ہے اور اس کے ساتھ اپنے وجود اور دوسری خوبیوں کو ظلی سمجھتے ہوئے ان میں جو فی الجملہ ان کو اپنا پن محسوس ہوتا ہے اس محسوس ہونے پر شرمندہ اور اپنے کو؟ بیکار سمجھتے ہیں اس لئے اپنے اعمال کو ریاکاری اور اپنے حال کو منافقت خیال فرماتے ہیں۔ یہ تو خواص مشائخ کا حال ہے لیکن دوسرے نمبر میں عظمت باری تعالیٰ کے سامنے اپنے ہر کمال اور ہر خوبی کو ناقص اور پر قصور تصور فرماتے ہیں۔

اس کے علاوہ غیر اختیاری امور اور بشری کمزوریوں کا احساس بھی ان کو اتنا ہوتا ہے کہ عوام کو کبائر

کا بھی اتنا نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے کمال تقویٰ کے ساتھ بزرگوں میں کمال تواضع بھی ہوتی ہے اگر یہ بات نہیں تو وہ بزرگ کامل بھی نہیں۔ ایسی حالت میں مخلوق کی خیرخواہی کے لئے اللہ کی خاطر جب کوئی بزرگ ارشاد کے لئے بیٹھتا ہے یا کوئی دوسرا اپنے حسن ظن کی بناء پر استفادہ کی نیت سے ان کے پاس جاکر بیٹھے تو وہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے اس کو حسن ظن دیا ہے اور وہی حادی ہے۔ پھر شیخ اللہ تعالٰی کی جانب متوجہ اور ملتجی ہوتا ہے کہ اے اللہ اس کے دل میں استعداد پیدا فرما اور میرے ذریعہ اس کو سلسلہ کے فیوض سے نواز دے۔ اس وقت شیخ کے قلب سے ایک نور باطنی پیدا ہو کر مرید کے دل کو منور کرکے مستعد بنا دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے شیخ کے اقوال و افعال اور ہدایات کا اثر ہوتا ہے۔ جس سے اعمال میں اصلاح ہوتی ہے اور مرید کے قلب میں حسبِ استعداد وہ نور جمع ہوتا رہتا ہے۔

ہادی عالم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اللہ پاک کا ارشاد "حریص علیکم" کا مفہوم بھی یہی ہے کہ ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تم لوگوں کی خیرخواہی اور نفع رسانی کی خاص تڑپ اُن کے دل میں ہے اور وہ تمہاری ہدایت کی بڑی آرزو رکھتے ہیں۔ کسی کیلئے یہی آرزو رکھتے ہوئے دعا اور رہنمائی کرنا توجہ کا ایک مسنون طریقہ ہے جو ہمارے اکثر اکابر کا معمول ہے۔

نوٹ:۔ ضعف اور قوت کے لحاظ سے مختلف قسم کی توجہات اور طالبین کی مختلف استعدادوں کی وجہ سے توجہ کے اثرات سے مختلف درجوں کی نسبتیں حاصل ہوتی ہیں ان نسبتوں کی چار قسمیں ہیں نسبت انعکاسی، نسبت القائی نسبت اصلاحی اور نسبت اتحادی ان کا مفصل بیان حضرت اقدس کے رسالہ نسبت واجازت میں ملاحظہ فرمائیں۔

اصطلاحات حضرات نقشبندیہ

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی بناء مندرجہ ذیل اصطلاحات پر ہے :۔

ہوش در دم، نظر بر قدم، سفر در وطن، خلوت در انجمن، یادکرد بازگشت، نگہداشت، یادداشت، تصوف زمانی وقوفِ عددی اور وقوف قلبی گیارہ ہیں۔ ان میں سے بعض پر تو اشغال کے طریقوں میں

عمل ہو جاتا ہے اور بعض کیفیات کی قسم سے یہ ہیں وہ اشغال کے ثمرات میں حاصل ہو جاتی ہیں تفصیل ضیاء القلوب میں ہے اور مختصر تعلیم الدین میں ملاحظہ کر لیں۔

فصل سلسلۂ عالیہ سہروردیہ کے اذکار واشغال

اس سلسلہ عالیہ کی بہت سی شاخیں ہیں اس لئے ذکر کے بھی بہت سے طریقے ہو گئے ہیں لیکن جیساکہ کلمہ طیبہ نفی اثبات کے فضائل میں پہلے گزر چکا کہ یہ سب سلسلوں میں ہے صرف طریقے مختلف ہیں چنانچہ یہ ذکر بھی اس سلسلہ میں کئی طریقوں سے کیا جاتا ہے لیکن بعض طریقے ایسے ہیں جن کی شرائط وقیود مختلف وجوہ کی بنا پر آج کل مشائخ کے ہاں متروک ہیں خصوصاً ہمارے حضرت دامت برکاتہم کے یہاں مثلاً حبس دم، شرکار مجلس کا سانس ملاکر ذکر کرنا۔ سارے ذکر میں تصور شیخ کا خصوصی اہتمام کرنا وغیرہ نہیں ہے اور ہمارے ہاں اول تو ذکر کے لئے مجلس ذکر ہی شرائط میں سے نہیں اور ہمارے ہاں کی مجلس میں شرکار کے اذکار بھی مختلف ہوتے ہیں۔ اس لئے اس سلسلہ کے زائید قیود والے طریقہ ذکر کو بیان نہیں کیا جاتا۔ بلکہ دوسرے طریقہ کو لکھا جاتا ہے جو ہمارے معمول بہا طریقوں سے قریب تر ہے۔

نفی اثبات کا طریقہ

قبلہ رو چار زانو بیٹھ کر اول ۱۱ بار درود شریف ۱۳ بار سورۂ اخلاص پڑھ کر سلسلہ عالیہ کے مشائخ کی ارواح کو ایصالِ ثواب کرے۔ شیخ سے اپنے رابطہ کو ذہن میں تازہ کرلے کہ ان کے واسطے سے سلسلہ کے فیوض میرے قلب میں آرہے ہیں اور ان کا تعلق و توجہ میرے شامل حال ہے اور فاذکرونی اذکرکم کے مضمون کو بھی مستحضر کرلے کمر کو سیدھی رکھے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھے۔ پھر تھوڑا سا سر کو جھکا کر لا کو ناف سے کھینچ کر سر کو اوپر کرتے ہوئے ام الدماغ تک لے جائے۔ پھر سر کو دائیں طرف تھوڑا سا موڑتے ہوئے الٰہ کو دائیں کندھے پر ختم کرے پھر وہاں سے

الا اللہ کی ضرب قوت و شدت کے ساتھ لیکن متوسط آواز کے ساتھ قلب پر لگائے۔ ذکر کی مقدار حسب قوت شیخ سے تجویز کرائے مثلاً پانچ تسبیح کرلے اِس ذکر کے باقی آداب و ملحوظات اذکار چشتیہ کی فصل میں ملاحظہ کرکے عمل میں لائے۔

ذکر خفی پاس انفاس کا طریقہ

سر اور زبان کی حرکت کے بغیر سانس کے باہر نکالتے وقت لا الٰہ کا تصور کرے اور سانس کے اندر داخل کرتے وقت الا اللہ تصور ہی کی زبان سے کہے۔ جب کچھ روز میں مثلاً دس روز کے بعد جب اِس نفی اثبات کی مشق اور ملکہ ہو جائے تو صرف اثبات کی مشق کرے یعنی سانس کے اندر اور باہر جاتے وقت دونوں حالتوں میں صرف الا اللہ کا تصور رکھے۔ پھر اس کی مشق کے بعد سانس اندر داخل کرتے وقت لفظ مبارک اللہ کے تصور کو شروع کرے اور سانس کو باہر کرتے وقت ختم کرے۔ کچھ روز اس کا ملکہ ہو جانے کے بعد دونوں سانسوں میں صرف ھُو (ہُو) ھُو کا تصور رکھے۔

اور سلسلہ کبرویہ اور فردوسیہ کے سب اذکار و اشغال طریقہ عالیہ قادریہ ہی کے مثل ہیں

(استفادہ از قطب الارشاد عربی مصنفہ علامہ فقیر اللہ قندھاری ؒ)

فہرست مضامین

ذکر شغل کے نصاب کو پورا کر لینے والوں کی خدمت میں گذارش

حسبِ ارشاد مرشد پورے شرائط کے ساتھ سلوک کے کسی بھی ایک ذکر مثلاً ۱۲ تسبیح پاس انفاس یا ذکر خفی وغیرہ کو یا بطور معاون دوسرے دو تین اشغال کو ملا کر عمل کیا جائے گا تو اللہ کے فضل و کرم سے قبولیت ہو کر هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَائِمُون کی کیفیت پیدا ہو جائے گی اور نسبت یادداشت حاصل ہو جائے گی۔ اس دولت کے حاصل کرنے کے بعد حضرت گنگوہی قدس سرہ کے ایک مکتوب کی مندرجہ ذیل عبارت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ فرماتے ہیں کہ اب اس یادداشت کے ساتھ حیا (جو باعث تقوی و تواضع ہے) مالک حقیقی کی ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ ہم اپنے کسی ذی جاہ منعم کے سامنے کوئی سبک حرکتی خلاف رضا نہیں کر سکتے ایسا ہی معاملہ خلوت میں اپنے اس حاضر و ناظر مولیٰ سے ہونا چاہیئے تاکہ حضور رسمیؐ کا مصداق پورا ہو جائے اور اپنی ہر ہر حرکت کو پیش نظر اس مالک تعالیٰ جان کر میزانِ شرع کہ قانونِ رضا ہے ناپ تول کا دھیان رہے۔ العرض ہر کام کو بحضور ذات تصور کرنا اور اس کی مرضی و غیر مرضی دریافت کر کے ترک و عمل کرنا چاہیئے اور اس کا ہی نام احسان ہے۔

لہٰذا کیفیت مذکورہ حاصل ہونے کے بعد ہر وقت محض محویت ہی میں غرق نہ رہے بلکہ اس حاصل شدہ یقین و استحضار کی کیفیت کو اپنے اعمال میں شامل کرے کہ قرب و رضا کی عطا اعمال پر ہے گو رضا محض وہبی ہے کوئی چیز اس کی شرط نہیں مگر اعمال رضا کی علامت تو ہیں۔ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْن)

مثلاً افضل الاعمال نماز کو اچھی طرح ادا کرے یہاں تک کہ اس کے مستحبات کا خیال کرے۔ اسی طرح معاملات و حقوق العباد میں شرعی فقہی مسائل کے مطابق تقویٰ کا خیال رکھے۔ تاکہ

فہرست مضامین

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ کا مصداق بن جائے نہ کہ محض کیفیت ترَاہُ میں مگن ہو کر ہر معاملہ میں دہ در دہ بنکر تصوف کو بدنام کرے۔ ایسے بے حیا شہودی ایمان والے صوفی سے تو عامی مسلمان جس کو صرف تصدیق قلبی حاصل ہو اور وہ عبادات و معاملات میں شریعت کے مطابق عمل کرتا ہو گناہوں سے بچتا ہو، اچھا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ ایک آدمی کے پاس لاکھوں جمع ہوں وہ ان کو استعمال نہ کرے بھوکا مرتا ہو یا چوری کرکے کھاتا ہو اور دوسرا جس کے پاس صرف سو پچاس بقدر ضرورت کے ہوں اور وہ شریفانہ گذر کرتا ہو، وہ اچھا ہے۔ اوّل الذکر صاحب دولت کے متعلق ماننا پڑے گا کہ یا تو اس کے ہاتھ مفلوج ہیں اور وہ بے عقل ہے یا اس کی جیب میں جعلی سکّے ہیں جو صرف دھوکہ دینے کے کام آسکتے ہیں۔

یہاں ایک بہت اہم تنبیہ ہے :۔ کہ اگر اس کے صاحب دولت ہونے کی شہادت مشائخ حقہ دے دیں تو انکار نہیں کرنا چاہیئے (اگر چہ ان کی شہادت کی بناء فراست اور حسن ظن اور وارد قلبی پر ہی ہوتی ہے) بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ ممکن ہے کہ اس کا ایک شعبہ ایک نوع کے کمال سے متصف ہو گیا اور دوسرا ابھی خالی ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ایک شارب خمر کے حق میں فرمایا: اَلَا اِنَّہٗ یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ پس اس کا دل محبت کے ساتھ موصوف تھا اور اس کا نفس امارگی سے باز نہیں آتا تھا۔ اس واقعہ کو "نشر الطیب" سے نقل کرتا ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے شراب پینے کے جرم میں سزا دی۔ پھر وہ ایک دن حاضر کیا گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حکم سزا کا دیا۔ ایک شخص نے مجمع میں سے کہا کہ اے اللہ اس پر لعنت کر کس قدر کثرت سے اس کو (اس مقدمہ میں) لایا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اس پر لعنت مت کرو۔ واللہ میرے علم میں یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے۔ روایت کیا اس کو بخاری نے

ف۔ اس حدیث سے چند امور ثابت ہوئے۔ ایک بشارت مذنبین کو کہ ان سے اللہ و رسول کی محبت

کی نفی نہیں کی گئی۔ دوسرے تنبیہ مذبذبین کو کر زری محبت سزا سے بچنے میں کام نہ آئی۔ آگے فرماتے ہیں کہ اس سے غلطت ثابت ہوئی ہے اللہ و رسول کی محبت کی کہ اس کا ایک شمہ بھی گو مَعْشُوْقٌ بِالْمَعَاصِی ہو مَانِعٌ عَنِ اللَّعْنَۃِ ہے تو اس کا کامل اور خالص درجہ کیسا کچھ مؤثر ہوگا ؎

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند　　صاف گر باشد ندانم چوں کند

لہٰذا صوفی اور اہلِ تصوف حضرات کو چاہیئے کہ سلوک کے اذکار پورا کرنے اور کیفیات حاصل کرنے کے بعد بے فکر نہ ہوں کیونکہ ابھی سلوک الی اللہ کا نصاب ختم ہوا اور یہ ترقی کی ابتداء ہے مقصد اس سے آگے ہے جس کو سیر فی اللہ کہتے ہیں۔ عزائم شریعت کا اختیار کرنا اس مقام کے لوازمات میں سے ہے۔ اخلاق و معاملات کی اصلاح جو مقدم تھی مگر مشکل ہونے کی وجہ سے اس کو وصول پر مؤخر کیا تھا اب آسان ہوگئی بشرطیکہ اس طرف توجہ ہو اور حقیقی ذکر کا بھی ابھی ابتدائی درجہ حاصل ہوا، ابھی بہت سے مراتب ذکر حاصل کرنے ہیں جو اس حاصل شدہ میں مداومت اور کوشش کرنے سے خود بخود حاصل ہوتے رہتے ہیں ؎

عبث ہے جستجو بحرِ محبت کے کنارے کی

بس اس میں ڈوب ہی جانا ہے اے دل پار ہو جانا

لہٰذا کمال اور جامعیت پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے اور تقویٰ میں اپنے اکابر کا طرز اختیار کرنا چاہیئے کہ اِنْ اَوْلِیَاءُ ہٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ۔ ہمارے سب اکابر جامع شریعت و طریقت ہوئے ہیں۔ یہ حضرات ؎

درکفے جامِ شریعت درکفے سندانِ عشق

ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

کے سچے مصداق ہیں ان اکابر نے تصوف کو فقہ و حدیث کے ماتحت چلایا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ واللہ الموفق والمعین ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیم العظیم وصلی

اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد وآلہٖ وصحبہ وبارک وسلم برحمتک یا ارحم الراحمین۔

ہدایات برائے ذاکرین

۱۔ ارادت اور توحید مطلب کو اپنے میں اس تفصیل کے ساتھ مستحکم کریں جو رسالہ فیض شیخ میں درج ہے۔

۲۔ آداب شیخ کا اہتمام اور موانع سلوک سے اجتناب کریں اس کے لئے رسالہ اکابر کا سلوک و احسان کا آخر اور رسالہ محبت کا آخر کا مطالعہ کریں۔

۳۔ معلومات، ذوق و شوق پیدا کرنے اور ہمت کو مضبوط کرنے کے لئے بتدریج مندرجہ ذیل کتب کو مطالعہ میں رکھیں۔

کتب برائے متوسلین جو ابتدائی معمولات کے پرچہ پر عمل کرتے ہوں

تعلیم الاسلام۔ تبلیغی نصاب حصہ اول و دوم۔ شمائل ترمذی۔ فضائل تجارت۔ زبان کی حفاظت موت کی یاد۔ حیٰوۃ المسلمین۔ آپ بیتی مکمل۔ اکابر کا تقویٰ۔ جزاء الاعمال۔ اکابر کی سوانح مثلاً تذکرۃ الرشید، تذکرۃ الخلیل، سوانح حضرت رائے پوری، اشرف السوانح۔ بہشتی زیور۔ اکابر علماء دیوبند۔ الاعتدال۔ بدنظری کا علاج۔ داڑھی کا وجوب۔

کتب برائے ذاکرین ومجازین

ارشاد الملوک ترجمہ ارشاد السلوک۔ اکمال الشیم شرح اتمام النعم۔ شریعت و طریقت کا تلازم

رسالہ نسبت واجازت۔ تربیت السالک۔ مکتوبات تصوف حضرت شیخ دامت برکاتہم۔ مکاتیب رشیدیہ مکتوبات تصوف حضرت مدنی قدس سرہٗ۔ تصوف کیا ہے؟ مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی (تجلیات ربانی) مکتوبات خواجہ محمد معصوم۔ شجرۂ نقشبندیہ۔ فیض شیخ۔ اکابر کا سلوک واحسان۔ اتم الامراض صقالۃ القلوب۔ ابتدائی اذکار واشغال۔

دیگر متعلقہ کتب

صراط مستقیم۔ ارشاد الطالبین۔ تعلیم الدین۔ کلیات امدادیہ۔ معرفت الٰہیہ۔ تزکیہ واحسان۔ تصوف وسلوک۔ انفاس عیسیٰ۔ کلید مثنوی۔ رسالہ محبت مصنفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

نوٹ:۔ کتب کے مطالعہ میں صاحب علم حضرات تو اپنی ضرورت اور ذوق کے مطابق ترتیب اختیار کریں۔ عامی اور مشغول حضرات پہلے بندہ کے مرتبہ رسائل کو دیکھ لیں پھر اکابرین کی کتب سے استفادہ کریں۔

نصائح سلوک (برائے ذاکرین) از تذکرۃ الخلیل

۱۔ ذکر باوضو ہونا چاہیئے بلکہ درویش سالک کو ہر وقت باوضو رہنا چاہیئے۔

۲۔ ذکر اسم ذات ہو یا نفی اثبات اطمینان کے ساتھ خوب ٹھہرا کر کرنا چاہیئے اور معنی کا بغور لحاظ رکھنا چاہیئے اور بہتر ہے کہ آخر شب میں تہجد کے بعد ہونا چاہیئے۔

۳۔ سالک (ذاکر) کو حلال لقمہ اپنے پیٹ میں پہنچانا چاہیئے تاکہ نورانیت پیدا ہو، اور حرام بلکہ مشتبہ سے بھی پرہیز کرنا ضروری ہے کہ ظلمت پیدا ہوتی ہے۔ جن کی آمدنی کا بیشتر حصہ حرام ہو یا مشتبہ ہو ان کی دعوت وغیرہ بھی قبول نہ کرے۔ مگر بلا وجہ مسلمانوں کے حالات میں تجسس بھی نہ کرے۔

۴۔ قبض کی حالت پیدا ہو تو امیدوار رحمت بن کر توبہ واستغفار اور خشوع وخضوع کے ساتھ گریہ وزاری میں مشغول ہو اور اپنے مولیٰ کریم سے توفیق طلب کرے اور نا امید نہ ہو۔ بحالت بسط ہر وقت تشکر

نعمت ادا کرتا رہے کہ ازدیادِ نعمت شکر کے ساتھ وابستہ ہے۔ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ۔

۵۔ اپنے دل و دماغ کی صحت کا زیادہ خیال کرنا چاہیئے کہ ان کو تقویت پہنچانا بہ نیت تقویت فی العبادت خود عبادت ہے۔ اس کی طرف توجہ نہ کرنے سے پھر انسان نہ دنیا کے کام کا رہتا ہے نہ دین کے کام کا۔

۶۔ طریقت سے مقصود یہ ہے کہ دنیا و مافیہا کی طرف سے بے رغبتی ہو اور اللہ و رسول کی محبت دل میں جاگزیں ہو۔ پس اِدھر یا اُدھر نظر واٹھانا چاہیئے۔

۷۔ شانِ حضور اور اتباعِ سنت میں جتنی ترقی ہوگی اسی قدر قربِ الٰہی بڑھے گا اور برکت ہوگی۔

اضافہ از ناکارہ مرتب، الملقب بہ ذکریٰ لذاکرین

۱۔ ذکر کرنے میں نیت صرف رضائے الٰہی کی کرے اور کوئی کیفیت، لذت یا مقام کے حاصل کرنے کا قصد نہ کرے۔

۲۔ ذکر بطور اہلِ محبت اور اہلِ عشق کے کرے نہ بطور وظیفہ کے۔ مثلاً ذکر جہر کے ساتھ حرکت، دل پر ضرب اور شد و مد کی رعایت کرنا کیونکہ اس سے جوشِ محبت اٹھتا ہے اور خطرات بند ہوتے ہیں اور جو کمزور ہو وہ ذکر خفی میں جملہ ملحوظات متعلقہ معروفہ کا اہتمام کرے۔

۳۔ ذکر سے پہلے اپنے دل کو کچھ گرم کرے خواہ موت کو یاد کرکے خواہ حکایات محبت انگیز کا خیال کرکے اور اپنے شیخ سے تعلق و ربط اور محبت کا خیال لمحہ دو لمحہ کے لئے تازہ کرلے۔ اس سے شیخ کے قلب سے فیوض و انوار اور قوت و اثر ذاکر کے دل میں آتا رہے گا اور ذکر سے پہلے فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ کے مضمون کو یاد کرے کہ اب مجھ حقیر ناچیز کو میرا محبوب منعم یاد فرمائے گا اور ان کی ہمنشینی نصیب ہوگی اس لئے ذوق و شوق اور خوشبو وغیرہ کا اہتمام کرے۔

۴۔ مختلف اوقات اور مختلف حالات کی تمام مسنون دعاؤں کا اہتمام کرے یہ چیز دوامِ ذکر پیدا

فہرست مضامین

ہونے میں بہت ممد ہے۔

۵۔ ذاکرین کو مجاہدہ کی بھی ضرورت ہے جس کی چار قسمیں ہیں۔ قلت طعام، قلت منام، قلت کلام، قلت اختلاط مع الانام۔ لیکن آج کل قویٰ کے کمزور ہو جانے کی وجہ سے قلت طعام میں مقدار اور غذا کی قوت کے لحاظ سے کمی کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ہو سکے تو دودھ گھی کا کچھ اضافہ کرلے۔ ہاں فضولیات مثل آئس کریم، مٹھائی اور چٹ پٹی چیزوں میں کمی کرلے اسی طرح بلا ضرورت اور بے وقت بطور تفریح کچھ کھاتے رہنے کو چھوڑ دے اور مشتبہ غذا سے بالکل پرہیز کرے۔ دوسرا مجاہدہ قلت منام کی بھی بالکل ضرورت نہیں۔ البتہ تھوڑا سا وقت تہجّد کے لئے نکال لے۔ نیند کے بارے میں یہی مجاہدہ کافی ہے۔ باقی رہی مجاہدہ کی دو قسمیں قلت کلام و قلت اختلاط۔ ذاکر کو ان کا اہتمام بہت ہی ضروری ہے اور ان کو پوری طرح اختیار کرنے میں صحت پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑتا بلکہ کمزور کو جسمانی راحت ملتی ہے۔ خصوصاً آج کل تو اس کے بغیر ذکر اذکار و صحبتِ شیخ کسی بھی چیز کا فائدہ باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ اکثر کبیرہ گناہ غیبت حسد وغیرہ کا صدور اور دیگر رذائل کا ظہور کلام اور اختلاط میں بے حد شائع ہو گیا ہے ذکر اور صحبت سے حاصل شدہ لذت اور صفائی تو زائل ہو جاتی ہے اور پہلی ظلمت پر اور ظلمت بڑھ جاتی ہے جس کے ساتھ بزرگی کا تکبّر بھی شامل ہوتا ہے۔

لیکن چپ کے روزے کی طرح بالکل سکوت اور بالکل تنہائی مطلوب نہیں بلکہ قلّت مطلوب ہے۔ جس کی بہترین صورت زبان ہلانے کے لئے تو ذکر اللہ ہے اور اختلاط کے لئے صحبت شیخ اور مجلس ذکر ہے اور غیر جنس کی صحبت تو اس راستے میں زہر قاتل ہے اسی طرح مخالف طریق خواہ وہ دیندار ہو اس کی صحبت بھی بہت مضر ہے اور تنہائی میں منکرین تصوف اور اپنے شیخ کے مشرب کے مخالف کی کتب کا مطالعہ بھی مضر ہوتا ہے اگرچہ ان کی کتب دینی ہی ہوں کیونکہ ان کی تحریر سے انداز فکر بدل کر اپنے شیخ سے عقیدت کم جاتی ہے جو کہ محرومی کا باعث ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ انسان چاندی سونے کی کان کے مثل ہے۔ پس جس طرح چاندی اور سونا کان سے محنت و مشقت کے ساتھ باہر نکالا جاتا ہے اسی طرح کمالات

کے انوار مشقت و مجاہدہ کے بعد ہی چمکتے ہیں اور ولایت ولی میں پوشیدہ ہوتی ہے اس کو ظاہر کرنے کے لئے خلوت کی ضرورت ہے تاکہ خلوت میں اس لائن کی محنت مثلاً کثرت ذکر، تلاوت، طہارت، ترکِ شہوات، مراقبہ و حضور اور مناجات آسانی سے ہو سکے اور الطاف خداوندی کی مہک اور لپٹیں حاصل ہو سکیں۔ البتہ جب ذکر دل کی صفت بن جائے اور تمثل حقیقی قلبی حاصل ہو جائے یعنی خلوت در انجمن کی استعداد پیدا ہو جائے۔ تو کچھ تھوڑا سا وقت خلوت محضہ کے لئے مقرر کر لے۔ باقی اوقات میں دینی و دنیاوی ضروریات پورا کرنے کے لئے اختلاط کرے لیکن فضول مجلس نہ کرے۔

اہم تنبیہ خلوت کے لئے نیت: - چونکہ کامل مکمل بزرگ کو تو اختلاط مضر نہیں بلکہ مفید ہے کہ اس کی صحبت سے لوگوں کو ہدایت ہوتی ہے جس کی وجہ سے خود اس کی بھی ترقی ہوتی ہے اور ناقص غیر مہذب سے اللہ کے بندوں کو اذیت پہنچتی ہے اور اس کی ملاقات سے طرفین غیبت وغیرہ کبائر میں مبتلا ہوتے ہیں۔ لہٰذا خلوت اور قلت کلام اس نیت سے کرے کہ مخلوق خدا میرے شرور سے بچی رہے اور میں یکسو ہو کر اپنی اصلاح کر سکوں۔ اگر اپنے کو مہذب سمجھ کر لوگوں کے شرور سے بچنے کی نیت سے خلوت کی تو یہی خلوت اس کو تکبر میں ڈال کر کی کرائی محنت اور تقویٰ پر پانی پھیر دے گی۔ ہمارے حضرت دام مجدہم کے ہاں اس کی بہترین صورت رمضان المبارک میں اعتکاف ہے۔ کیونکہ سلوک طریقت کو طے کرنے کے لئے طریقت کی ابتداء کی درستی اور صحبت ضروری ہے اور ارشاد الملوک میں ہے کہ ہدایت کو درست کرنے کے شرائط امام جنید رحمۃ اللہ علیہ کے طریق پر کہ حصولِ مقصود کے لئے سب طریقوں میں قریب تر ہے آٹھ ہیں۔ دوامِ عبادت، دوامِ صوم، دوامِ سکوت، دوامِ خلوت، دوامِ ذکر اللہ، دوامِ نفی خواطر، دوامِ ربط قلب بالشیخ اور اس سے علوم و واقعات کا استفادہ رکھنا یہاں تک کہ اپنے تصرف کو شیخ کے تصرف میں فنا کر دے اور دوامِ ترکِ اعتراض بر خدائے تعالیٰ ان سب شرطوں کی تفصیل ارشاد الملوک میں ہے۔ حضرت اقدس کے ساتھ اعتکاف میں ان شرطوں پر سہولت سے عمل ہو جاتا ہے اور اکثر طالبوں کو کامیابی ہوتی ہے پھر اس کے بعد بھی کوئی چلہ کرنا چاہے،

تو آسان ہو جاتا ہے۔

ذاکر اپنی ہمت کو مضبوط رکھے یعنی جلدی نہ مچائے۔ کیونکہ یہ تکبر کی علامت اور تکبر اس راستے کا سب سے بڑا مانع ہے۔

سلوک میں ذکر کا نفع چونکہ شیخ سے استفادہ کے ساتھ مربوط ہے اور یہ شرائط مثلاً ارادت میں مضبوطی۔ توحید مطلب، آداب الشیخ کا لحاظ اور موانع سلوک سے پرہیز کا مفصل حال تو رسالہ فیضِ شیخ، اکابر کا سلوک و احسان در رسالہ محبت میں مذکور ہے لیکن ارادت کی مضبوطی میں ایک چیز انقیاد ہے جس کو اہمیت کے پیش نظر یہاں بھی لکھا جاتا ہے۔

مرید کے لفظ کے معنیٰ ہی میں یہ ہے کہ وہ مسلوب الارادہ ہوتا ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں تحریر فرماتے ہیں کہ فیوض نبوت اور فیوض ولایت کو قبول کرنے کے لائق وہ لوگ ہیں جن کی قوتِ نظر پر استعداد تقلیدی کا غلبہ ہو۔ مثال کے طور پر ایک آدمی کھڑا ہو۔ اس کے دو ہاتھ صاف نظر آتے ہوں اور آدمی کے دو ہی ہاتھ ہوتے ہیں۔ اگر شیخ کامل مرید کو حکم کرے کہ اس آدمی کے ہاتھ پکڑ لو۔ مرید دونوں ہاتھ پکڑ لے۔ پھر شیخ حکم کرے کہ تیسرا بھی پکڑ لو۔ تو مرید کو تیسرا ہاتھ پکڑنے کے لئے اپنی نظر و فہم کو بالائے طاق رکھ کر فوراً ہاتھ بڑھانا چاہیئے۔ ان باتوں کو کوئی صوفیوں کی باتیں نہ سمجھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ کرام کو اسی درجہ کے انقیاد کی تعلیم دی تھی اور صحابہ کرام کو حسب مراتب اسی قسم کی ارادت حاصل تھی اور جہاں کہیں اس کی کمی آئی وہیں محرومی ہوئی۔ چنانچہ شمائل ترمذی میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہانڈی پکائی۔ چونکہ آقائے نامدار کو بونگ کا گوشت زیادہ پسند تھا اس لئے میں نے ایک بونگ پیش کی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے دوسری طلب فرمائی۔ میں نے دوسری بھی پیش کر دی پھر حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اور طلب فرمائی۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! بکری کی دو ہی بونگیں ہوتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر تو چپ رہتا تو میں جب تک مانگتا رہتا اس دیگچی سے بونگیں نکلتی رہتیں۔ میرے

آقاو مرشد حضرت شیخ دامت برکاتہم شرح میں علامہ مناوی کا قول تحریر فرماتے ہیں کہ حقیقت میں یہ ایک انعام الٰہی تھا اگر یہ انقیاد تام کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ارشاد کی تعمیل کرتے رہتے تو وہ باقی رہتا۔ لیکن ان کی طرف سے اعتراض کی صورت پیدا ہوئی جو متوقع کے مناسب نہ تھی اس لئے وہ اکرام تام بھی منقطع ہو گیا۔

فیوض و انعامات الٰہیہ کا واسطہ نائب رسول شیخ ہوتا ہے اس میں مرید کا ذرا سا بھی عدم انقیاد اور صورتِ اعتراض انعام و اکرام کے منقطع ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شیخ کی خدمت میں اپنے علم کو جہالت اور اپنی نظر کو کور چشمی سمجھتے ہوئے خالی ہو کر جائے گا تو فیض شیخ سے اپنا برتن بھر کر لے آئے گا اگر برتن میں پہلے سے کوئی اچھی یا بری چیز بھری ہوگی تو شیخ کے فیض سے محروم رہے گا خواہ کتنا ہی بڑا شیخ ہو ؎

ہر کرا روئے بہ بہبود نہ بود ؎ دیدن روئے نبی سود نہ بود

یعنی اگر کسی کا ارادہ ہی نیکی کا نہ ہو تو اس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی زیارت سے بھی کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔

اس استعداد تقلیدی کی قوت کی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق اکبر کہلائے اور اسی استعداد کے فقدان سے ابوجہل لعین ہوا۔

انقیاد کی بندہ نے جو اوپر مثال دی ہے اس مثال کو سن کر ہر شخص پہلے تو بہت عجیب سمجھتا ہے۔ پھر حدیث پاک سے مطابقت پڑھ کر کچھ چپ ہو جاتا ہے اور اس بات کو نبی کے ساتھ خاص ہونے یا کوئی اور تاویل سوچنے لگتا ہے۔ مگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو ایسی تقلید ہی پر ہم سب کے ایمان و اسلام کا مدار ہے۔ قبر کا عذاب، ثواب، اس کا جنت کا باغ ہونا یا جہنم کا گڑھا ہونا سب مانتے ہیں، لیکن روزانہ پرانی قبروں کو کھلتے دیکھا جاتا ہے وہاں کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ اسی طرح اعمال کے طریقے، حلال و حرام کے مسائل میں ہم میں سے کس کس نے فقہاء کی طرح تحقیق کر کے عمل کیا ہے۔ اکثر کی تو اردو کی کتب تک اور علماء حضرات کی صرف عربی کی فقہ کی کتب تک ہی رسائی ہے۔ براہ

راست قرآن وحدیث سے استنباط کرنے والے کتنے ہیں۔ لہٰذا جب ساری شریعت کا مدار تقلید پر ہی ہے۔ تو کوئی ایسی بات جو خلافِ شریعت نہ ہو صرف عقل میں نہ آتی ہو اس میں شیخ کامل کی مان لینے میں کونسی مشکل اور عجیب بات ہے اور حیرت کیوں ہے؟ صرف اس لئے کہ شیخ کے مقام کی اہمیت نہیں۔ حالانکہ دنیاوی معاملات ڈاکٹری وغیرہ میں کفار تک کی باتیں بلاتحقیق محض تقلیداً مان رہے ہیں۔ مثلاً جو جراثیم کا قائل نہیں ہوتا اس کو پرانے خیال کا دقیانوسی کہا جاتا ہے۔ حالانکہ جراثیم کا وجود اور ان کے اثرات کو ماننے والے روشن خیال والوں میں کتنے ہیں جنہوں نے خود خوردبین سے جراثیم کو دیکھا اور ان کے اثرات کی تحقیق کی ہو۔

ارشاد الملوک (جو حضرت گنگوہیؒ کی تصنیف کا ترجمہ ہے) میں ہے کہ مرید کو چاہیئے کہ شیخ کے ظاہری اور باطنی احترام میں کوتاہی نہ کرے اور جو کچھ اس سے سُنے۔ اگرچہ یقیناً جانتا ہو کہ غلط ہے تاہم اس کے ساتھ حجت نہ کرے۔ کیونکہ اس کی نظر، اُس کی نظر سے اور اس کا علم اس کے علم سے بہرحال بڑھا ہوا ہے اور کامل ہے اور جو شیخ اخلاق نبوی سے متصف ہوگا تو وہ بے شک مریدوں کی تربیت کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین ہوگا اور جس طرح حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام کا قصہ نقل فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کے کاموں پر انکار نہ فرمانے کا وعدہ فرماکر ہمراہی اختیار کی لیکن پھر ضبط نہ کرسکے اور اعتراض کیا۔ آخر تیسری بار تفریق کی نوبت آگئی۔ اسی طرح مریدوں کو اپنے شیخ کا ایسا اتباع کرنا چاہیئے کہ اس پر اعتراض نہ کرے اور ادب وتعمیل حکم شیخ کو فرض سمجھے۔ کسی طرح بھی انحراف کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام تو پیغمبر صاحب شریعت ہونے کی وجہ سے افضل تھے۔ محض طبعی شوق سے ایک غیرضروری علم سیکھنے کو خضر علیہ السلام کے ساتھ رہنے کے خواہاں ہوئے تھے تو اعتراض کرنے کی وجہ سے گو گنہگار نہیں ہوئے مگر اس علم سے تو ناکام رہے پھر کیا پوچھنا مرید کا کہ جاہل بن کر رہبر شیخ کا دامن پکڑا اور ضروری علم یعنی معرفت خداوندی حاصل کرنے کے لئے اپنے سے افضل واعلیٰ کی معیت اختیار کی۔ پس اگر اعتراض کرے گا تو محروم رہ کر خسارہ

ہی خسارہ اٹھائے گا۔

یہاں ایک بات کا لحاظ ضروری ہے کہ شیخ کا اس درجہ کا اتباع کرنے میں شیخ کا جامع شریعت وطریقت ہونا ضروری ہے کہ جب وہ عالم ربانی ہوگا تو وہ کوئی حکم حقیقت میں خلاف شرع کرے گا ہی نہیں چاہے مرید کم علم اور طریق کے راہ ورسم سے ناواقف کی سمجھ میں نہ آئے۔ اور اگر شیخ صرف طریقت کا ماہر ہو اور ظاہر شریعت کا مکمل ومحقق عالم نہ ہو تو اس کی اتباع خلاف شرع میں نہ کرے۔ بلکہ ادب سے معذرت کردے۔ البتہ امور تربیت میں اس کی بھی کامل اتباع ضروری ہے۔ کیونکہ شیخ کا نائب رسول ہونا تربیت کے معاملہ میں ہے۔ مسائل شرعیہ کے معاملہ میں نائب رسول علماء حقانی ہی ہیں۔

۸۔ مجلس ذکر:۔

برادران طریقت کا کسی ایک جگہ مل کر ذکر کرنا جس کو ہمارے حضرت کے ہاں مجلس ذکر کہتے ہیں۔ اس میں ذکر تو ہر شخص اپنا اپنا اپنے طریقے پر کرتا ہے صرف ایک جگہ جمع ہونا بہت ہی مفید اور خیر وبرکات کے حصول کا ذریعہ ہے۔

مجالس ذکر کی فضیلت مختلف عنوانات سے بہت سی احادیث میں وارد ہوئی ہے مثلاً فرشتوں کا اس جگہ کو گھیر لینا اور رحمت کا ڈھانپ لینا۔ اللہ تعالیٰ کا عرش پر شرکاء مجلس کا ذکر فرمانا۔ مجلس پر سکینہ یعنی طمانیت ورحمت کا نازل ہونا۔ شرکاء مجلس کے لئے آسمان سے فرشتہ کا ندا کرنا کہ تم لوگ بخش دیئے گئے اور تمہاری برائیاں نیکیوں سے بدل دی گئیں۔ حشر میں چہروں پر نور ہونا اور موتیوں کے منبروں پر ہونا وغیرہ ان سب فضائل کی احادیث وتفصیل حضرت اقدس کی کتاب فضائل ذکر میں ملاحظہ فرمائیں۔ اگر کسی جگہ کے احباب روزانہ جمع نہ ہوسکیں تو کم ازکم ہفتہ میں ایک دن تو ضرور اس مجلس کو قائم کریں تاکہ مذکورہ بالا منصوص فضائل حاصل ہوں اور ذاکرین کے قلوب کی روشنیاں جمع ہو کر ایک شیخ کامل کا بدل بھی ہو جائے اور اس راستے کے متعلق ایک دوسرے سے استفادہ اور افادہ کا موقع بھی ملے اور قلوب کے انوار ایک دوسرے میں منعکس ہوں۔ دوسرے یہ کہ مجلس میں حاضری کی پابندی سستی سے ذکر کے ناغہ ہونے سے مانع ہوتی ہے اور ہمت مضبوط رہتی ہے اگر کسی وجہ سے کوئی شریک مجلس ذکر نہ کرسکے تو ایک گونہ ذکر کا نفع اس کو بھی حاصل ہو جاتا ہے اور مجلس

فہرست مضامین

کی برکات تو سب کو ہی حاصل ہوتی ہیں کہ هُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقَىٰ جَلِيسُهُمْ الحدیث۔

جس مبارک گھر میں مجلس ذکر ہونا طے پائے تو صاحب خانہ کو چاہیئے کہ اس جگہ کی صفائی پاکیزگی یکسوئی اور کچھ خوشبو کا اہتمام کرے لیکن جگہ کو بہت سادہ رکھے۔ روشنی اور فرش وغیرہ میں کوئی مشغول کرنے والی صورت نہ ہو۔ البتہ گرمی میں پنکھے اور ٹھنڈے پانی وغیرہ کا خیال کرے۔ یہ گھر آسمان والوں کے ہاں ایسے چمکتے ہیں۔ جیسے زمین والوں کے ہاں ستارے۔ لہٰذا اپنے ہاں ذاکرین کے جمع ہونے کو بڑی سعادت سمجھے۔

ختم خواجگان

شرکا مجلس ذکر کو اگر رغبت ہو اور وقت میں گنجائش ہو تو ذکر سے پہلے ختم خواجگان اجتماعی طور پر پورا کر کے اجتماعی دُعا کے بعد اپنا اپنا ذکر شروع کریں۔

ختم خواجگان کئی طریقوں اور مختلف تعداد سے کیا جاتا ہے ہمارے حضرت کے ہاں آج کل مندرجہ ذیل طریقہ پر ہوتا ہے۔

مجلس کے درمیان کپڑا بچھا کر ۳۶ دانے رکھے جاتے ہیں۔ پہلے سب شرکا تین تین بار درود شریف پڑھتے ہیں۔ پھر ہر دانہ پر ایک بار لاحول ولا قوۃ الا باللہ لا ملجاء ولا منجاء من اللہ الا الیہ پڑھا جاتا ہے پھر ہر دانہ پر ایک بار بسم اللہ سمیت سورہ الم نشرح پوری پڑھی جاتی ہے پھر ہر دانہ پر ایک بار لاحول ولا قوۃ الا باللہ لا ملجاء ولا منجاء من اللہ الا الیہ پڑھ کر سب شرکا تین تین بار درود شریف پڑھتے ہیں پھر اجتماعی دعا ہو جاتی ہے۔

۹۔ نمبر ۶ میں گذرا کہ سالک سلوک پورا کرنے میں جلدی نہ مچائے۔ یہاں ایک ضروری امر یہ ہے کہ ذاکرین کو بعض اوقات اپنے شیخ سے خلافت و اجازت ملنے کی امید و خواہش پیدا ہو جاتی ہے اس کو تکبر کی علامات میں سے سمجھ کر زنا کے وسوسہ سے بھی زیادہ مکروہ خیال کرتے

ہوئے دل میں شرمندہ ہو کر دفعیہ کے لئے دعا کرے۔ غیر اختیاری بُرے وساوس کا بُرا سمجھنا ہی کافی ہوتا ہے دفعیہ کے لئے زیادہ کاوش کرنا مضر ہے۔ بُرا سمجھنے کے بعد عدم التفات ہی ان کا علاج ہے۔

۱۰۔ شیخ سے دوری کی صورت میں ہر ذاکر کو مسلسل خط وکتابت کے ذریعہ شیخ سے رابطہ رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ مکاتبت نصف ملاقات ہے اور اس راستے میں صحبت کا ضروری ہونا شرط ہے۔ یہ نصف ملاقات صحبت کا بدل اور غائبانہ توجہ کی بہترین صورت ہے۔ اگر کوئی جدید حال قابل ذکر نہ بھی ہو تو صرف دعا ہی کے لئے عریضہ لکھ دے تاکہ دعا اور توجہ حاصل ہو جائے۔ لیکن ایسے عریضوں کے جواب کا مطالبہ نہ کرے۔ اگر کسی وجہ سے شیخ کے ساتھ مکاتبت کا سلسلہ قائم ہونا مشکل ہو اور حاضری کی بھی دشواری ہو تو شیخ کے مشورہ اور اجازت سے شیخ کے کسی مجاز یا فہیم مخلص کو جس سے مناسبت ہو اپنا دوست بنالے پھر اسی کے ساتھ مکاتبت رکھے۔ اگر ذاکر سے متعلق کوئی مشکل بات اس کو شیخ سے پوچھنا ہوگی تو وہ خود پوچھ لے گا۔ فقط۔

تلک عشرۃ کاملۃ تمت بالخیر۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے مرتب، ناشر اور ناظرین کو عمل کی توفیق دیں۔ وصلی اللہ علی النبی الکریم برحمتک یا ارحم الراحمین۔

اذکار و اشغال اختیار کرنیکے باوجود بعض طالبین کے ناکام ہونیکی وجوہات

یہ موضوع بہت طویل ہے اس مختصر رسالہ میں تفصیل مشکل ہے لیکن چونکہ ذکر کی لائن سے متعلق ضرور ہے اس لئے صرف مختصر اشارات لکھے جاتے ہیں اور تفصیل کے لئے کتب کا حوالہ دینا کافی ہے۔ تفصیل کے لئے صراط مستقیم اور شریعت طریقت کا تلازم کا مطالعہ کریں اور انہیں کتب اور اکابر کی دیگر کتب سے مختصر اور آسان کر کے رسالہ محبت، ام الامراض، اکابر کا سلوک اور اکابر کا تقوی وغیرہ رسائل میں درج ہے۔

حضرت گنگوہیؒ اپنے ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں کہ راہ جذب ہے نہ درگاہ (یعنی جذب طریق ہے مقصد نہیں) اس لئے بعد طے جذب کے وہ طریقہ صحابہ کہ عبدیت کا مقام ہے اختیار کرنا اور عبادت و عاجزی کا معاملہ کرنا واجب ہوتا ہے۔ ۱۲

حضرت حکیم الامت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ وصول مطلوب نہیں قبول مطلوب ہے ۱۲

حضرت سید احمد شہیدؒ کے ملفوظات جو حضرت مولانا سید اسماعیل شہیدؒ نے جمع فرمائے ہیں ان میں جگہ فرماتے ہیں کہ جو اذکار اور اشغال اور مراقبے اور مقام کہ اولیاء کرام نے خلاصہ کر کے لکھے ہیں اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ سالکوں کو وہی امور پیش آتے ہیں اور انہیں اذکار و اشغال سے وہ مقامات پر پہنچتے ہیں مگر جو عنائتیں اور برکتیں کہ بارگاہ عالی سے پے در پے اولیاء عظام کے بارے میں ہوا کرتی ہیں سالکوں کے دماغ میں اُن کی بُو بھی نہیں پہنچتی اور ہرگز وہ آثار مرتب نہیں ہوتے۔ ہر چند عنایات و برکات اور قبولیت کے ظہور میں تمام اہل کمال کا برابر ہونا ممکن نہیں۔ لیکن ہر ایک کے حسب حال اس کا ظہور بھی چاہیئے اور ان آثار کی عدم موجودگی کی صورت میں اس امر کی تلاش اور جستجو ضروری ہے جو ان سے مانع ہو تاکہ اس کو دور کیا جائے اس کے بغیر بارگاہ قبولیت میں پہنچنے کو محال سمجھیں۔

فہرست مضامین

جو کیفیات اور کشف اور شہود سلوک کے اعمال و اشغال میں کوشش کرنے کے باعث پیش آتا ہے وہ کافر اور مومن اور مبتدع اور متبع سنت کے درمیان مشترک ہوتا ہے لہٰذا جو چیز کافر اور مومن میں مشترک ہو وہ بزرگی کی علامت کیسے ہو سکتی ہے گذشتہ اوراق میں گذر چکا کہ عشق الٰہی اور احسان کا مطلب ہی یہ ہے کہ تمام حالتوں میں اور شریعت کے تمام شعبوں میں ارادہ طاعت علی درجۃ الکمال ہو۔ یعنی عبادات اِس خلوص اور اچھے طریقہ سے ادا کی جائیں جیسا کہ اللہ کی حضوری میں کرتا اور یہ بات حضوری کے بغیر مشکل ہے اور اگر حضوری میں یہ بات نہیں تو معلوم ہوگا کہ قبولیت نہیں اور نسبت حاصل نہیں۔ اگر کوئی خالی کیفیات ہی حاصل ہونے پر مطمئن ہو تو اس کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے ؎

خواجہ پندارد کہ مرد واصل است

حاصل خواجہ بجز پندار نیست

فہرست مضامین

وکلٌ یدعی وصلا بلیلیٰ
ولیلیٰ لا تقرّ لھم بذاکَ

① سب سے پہلی چیز نیت ہے۔ اذکار واشغال اختیار کرنے میں اپنی اصلاح اور بندہ بننے کی نیت نہیں کی جاتی بلکہ بزرگ بننے کی نیت ہوتی ہے۔ حالانکہ بزرگی اور بڑائی تو صرف خدا کے لئے ہے بندہ بندگی کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس راستے میں شہرت کا طالب بدبخت ہوتا ہے۔

(تفصیل رسالہ ام الامراض میں)

② عقائد کی درستگی کی طرف توجہ نہیں ہوتی ذاکرین کے عام طور پر بنیادی عقائد تو ٹھیک ہوتے ہیں لیکن اس راستے کے جہلاء صوفیاء کے اثرات سے شرکیہ خیالات اور اعمال میں شرکیہ رسوم و بدعات شامل ہو کر قبولیت کے راستے سے دور کر دیتی ہیں حالانکہ یہ راستہ تو توحید کو خالص کرنے کے لئے ہے اور عمل میں اتباعِ سنت کا راستہ ہے۔

(تفصیل کیلئے شریعت وطریقت کا تلازم اور صراطِ مستقیم کا مطالعہ کریں)

③ اپنے شیخ کے علاوہ دوسرے اولیاء اللہ سے بغض یا اُن کی اہانت اور اپنے کاروبار وغیرہ میں سودی لین دین ان دونوں باتوں کے متعلق اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف سے اعلانِ جنگ فرمایا ہے جس کا مطلب مردود کر دینا ہے لہٰذا اِن باتوں کی موجودگی میں رضاء و قرب کا حصول خام خیالی ہے۔

(تفصیل الاعتدال میں دیکھیں)

④ اقرباء سے قطع رحمی کرنا۔ حدیثِ پاک میں ہے کہ قطع رحمی کرنے والے کو رحمٰن قطع کرے گا۔ اب جب رحمٰن ہی قطع کرے تو جوڑ پیدا کرنے والے کی دوسری کوئی کوشش کیسے کامیاب ہو سکتی ہے۔ (تفصیل فضائل صدقات میں دیکھیں)

⑤ رذائل کا دور نہ کرنا جن کی جڑ ام الامراض تکبر ہے جس کا ایک ذرہ بھی دخول جنت سے مانع ہے۔

(تفصیل رسالہ ام الامراض میں دیکھیں)

⑥ آثار ذکر کے سمجھنے میں دھوکہ کھانا۔ اکثر لوگ ذکر میں گرمی۔ جوش مستی سُکر غیبی انوار کا دیکھنا اور

کشف کونی وغیرہ کو آثارِ ذکر سمجھتے ہیں۔ یہ سب کیفیات غیر مقبول بلکہ کافر کو بھی حاصل ہو سکتی ہیں ان پہ شیطانی دخل وہم اور دماغ کی خشکی سب احتمالات ہیں اس لئے غیبی انوارات کا دیکھنا ظنی ہوا اور ان سے افضل ظاہری انوارات چاند سورج وغیرہ کو دیکھنا کم از کم بینائی کے درست ہونے کی تو دلیل ہے اور ان پر غور کرنے سے معرفت بھی پیدا ہوتی ہے اور کشف کونی مجاہدوں سے کفار کو بھی حاصل ہو جاتا ہے بلکہ کفار کے ایجاد کردہ مادی آلات سے بھی حاصل ہوتا ہے یہ آثار ذکر نہیں ہیں۔ آثار ذکر جو حدیث پاک اور بزرگوں کے اقوال سے ثابت ہیں وہ یہ ہیں کہ دنیا سے نفرت ہو جانے وہ جاذب نظر نہ رہے آخرت کا فکر اور اس کی تیاری میں لگ جانے۔ موت یاد رہے دنیا کا فانی ہونا آخرت کا باقی ہونا پیش نظر ہو جائے۔ یکسوئی اور تبتل سے طبیعت مانوس ہو جائے اور اللہ کے دھیان رہنے میں ترقی ہونا شروع ہو جائے۔

⑦ اخلاق و معاملات کی درستی کا فکر اور کوشش میں نہ لگنا۔ کیونکہ الحکم میں ہے کہ واجبات کی ادائیگی میں سستی اور نفلی عبادات میں جولانی کرنا ہوائے نفس کی علامت ہے۔ تقوی کے بغیر ولایت کا تصور ہی نہیں قرآن پاک میں ہے ان اولیاؤہٗ الا المتقون۔ (تفصیل اکابر کا تقوی)

⑧ ناجنس کی صحبت یا مخالف طریق کی محبت اس راستے میں کافر کی محبت سے بھی خطرناک ہے۔

⑨ علامات نفاق، جھوٹ، وعدہ خلافی اور خیانت وغیرہ کے دور کرنے کا فکر نہ کرنا۔

⑩ اللہ کے دشمنوں سے قلبی تعلق اور ان کی معاشرت کو پسند کرنا مبغوض اعمال و احوال سے صلح رکھنا یعنی بغض فی اللہ اور نفرت کا نہ ہونا بلکہ اس بے حیائی کی خصلت کو حلم اور صلح کلی بیماری کا نام دینا۔
(تفصیل رسالہ محبت میں)

⑪ باقی اذکار اور شیخ سے تعلق کے متعلق توحید مطلب واردات و آداب میں کمی وغیرہ کا حال مختلف جگہ گزر چکا۔ (تفصیل فیض شیخ اور اکابر کا سلوک و احسان میں ملاحظہ فرمائیں۔)

⑫ اس راستے کے اذکار کو بطور وظیفہ اور معمول کے پورا کر کے بے فکر ہو جانا بلکہ اس کی ضرورت

چیکہ چاہے کام تھوڑا ہو لیکن اس کا اہتمام، دوام اور ہر وقت دُھن و شوق غالب ہونا چاہیئے۔

یہ موٹی موٹی باتیں بطور مثال کے ہیں اس راستے کی کتب کی جو فہرست رسالہ میں دی گئی ہے ان کے مطالعہ سے شوق و مناسبت اور ضروری معلومات حاصل ہو جائیں گی لیکن کام عمل سے بنے گا اور سب باتوں کی جڑ شیخ سے محبت و ارادت ہے پھر اپنے حال کی اطلاع پھر ان کے ارشاد پر اعتماد و انقیاد کے ساتھ اتباع ضروری ہے۔ ان سب امور کا لحاظ حضرت شیخ دام مجدہٗ کے طرز تربیت و ترتیب کو پورا پورا اپنانے میں ہو جاتا ہے لہٰذا یہاں طرز تربیت کی فصل کو دوبارہ دیکھ لیا جاوے اس میں سب اہم چیز ابتدائی معمولات کا پرچہ ہے اس لئے بعض دفعہ حضرت اقدس کو دیکھا ہے کہ اگر کسی کو بیعت کی اجازت دینے کا حضرت کو خیال ہوا تو کچھ روز پہلے اس کو ابتدائی معمولات کا پرچہ پر خاص طور سے غور فرمانے کا حکم فرمایا اور اجازت کے بعد یا کچھ پہلے رسالہ نسبت و اجازت کے مطالعہ میں رکھنے کا حکم بھی فرمایا۔

خاتمہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ.

حضرات علماء کرام کی خدمت میں عاجزانہ گذارش

تمہید

برادر معظم حضرت مولانا ہاشم صاحب مدرس حدیث دار العلوم بری انگلینڈ جو قطب الاقطاب حضرت شیخ کے مجاز ہیں۔ انہوں نے احقر کو حکم فرمایا کہ تم اس رسالہ صقالۃ القلوب میں ذکر کی اہمیت کے بارے میں علماء کرام کو ضرور متوجہ کرو۔ کہ اس لائن کی طرف ان حضرات کی اکثریت متوجہ نہیں ہے۔ حالانکہ یہی حضرات اس طرف خصوصیت سے متوجہ ہونے کے زیادہ لائق ہیں وہ اس لائن کی حقیقت اور اہمیت کو دلائل سے سمجھتے ہیں اور یہی حضرات دین کے سارے شعبے چلا بھی رہے ہیں ان حضرات کی بے توجہی سے یہ لائن سارے ہی شعبوں سے نکل رہی ہے جس کی وجہ سے مدارس، مساجد اور تمام دینی جماعتیں و جمعیتیں فتن و شرور، انتشار و افتراق کا شکار ہو رہی ہے ان کی افادیت ختم ہی نہیں، ہو رہی بلکہ یہ مرکز الاماشاء اللّٰہ دینی اصلاح و تربیت کی بجائے فساد و بگاڑ کے اڈے بن کر خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہو رہے ہیں۔ حالات اور واقعات متعلقہ حضرات پر مخفی نہیں۔

بندہ کے لئے حضرات علماء کرام کی خدمت میں کچھ عرض کرنا بہت ہی نا مناسب تھا کہ بندہ خود عالم نہیں ایک عامی آدمی ہے مگر بعض دوسرے برادران طریقت میں سے بھی اہل علم نے احقر کو اس کی ترغیب دی اور فرمایا کہ تم کو کوئی تصنیف یا کسی علمی کام کے لئے نہیں کہا جا رہا صرف علماء کرام کے اساتذہ اور ان کے اکابرین ہی کے ارشادات جو حضرت اقدس شیخ کی کتب میں ہیں اور تم نے اپنے رسالوں میں نقل بھی کئے ہیں انہیں کو یکجا جمع کرنا ہے۔ گویا ان حضرات کو ان کے اپنے ہی علم پر متوجہ کرنا ہے۔ احقر کی سمجھ میں بھی آ گیا کہ واقعی اس کام کے کرنے میں بندہ کے لئے کوئی بڑائی کی بات نہیں اور نہ ہی ان حضرات کی شان

میں کوئی فرق آتا ہے۔ یاد دھانی تو بڑے سے بڑے کو کی جا سکتی ہے۔ جب کہ صلح حدیبیہ میں سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک ترکیب کی طرف متوجہ کر کے صحابہ کرام کی ایک مشکل کو دور کر دیا جس کی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت گرانی ہو رہی تھی۔

(تفصیل واقعہ صلح حدیبیہ میں ملاحظہ ہو)

حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ کی توبہ اور پھر ولایت کے اعلےٰ مقام کا حصول ایک چڑیا کا عمل دیکھ کر ہوا۔ (مفصل قصہ فضائل صدقات حصہ دوم میں ملاحظہ ہو)

حضرت ابراہیم بن ادھم رضی اللہ عنہ نے ایک چرواہے کی بات سن کر بادشاہت چھوڑ کر درویشی اختیار کی تھی۔

حضرت فرید الدین عطارؒ نے ایک فقیر کی بات سن کر اور دیکھ کر معرفت کا راستہ اختیار کیا تھا۔ غرض چھوٹوں کا بڑوں کو کسی بات پر متوجہ کر دینا ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے ہمارے اکابر میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے مسجد میں ایک طالب علم سے ایک روپے کی ریزگاری طلب کی۔ اس سعید طالب علم نے ادب سے عرض کیا کہ حضرت کیا اس میں بیع تو نہ ہو جائے گی۔ حضرت یہ سُن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا واقعی یہ بیع صرف میں داخل ہے اور مسجد کی حد سے نکل کر ریزگاری لی۔ گو طالب علم میں اس علم و سعادت کی وجہ حضرت ہی کی تربیت اور حضرت ہی کا فیض تھا مگر حضرت کو اس وقت اس مسئلہ کا دھیان نہ تھا۔ احقر کے مرشد حضرت شیخ دام مجدھم کے اس قسم کے کئی واقعات آپ بیتی میں ہیں کہ حضرت کو بعض باتوں پر متوجہ کرنے والے خدام حضرت کے منظور نظر ہو گئے۔

حضرت امام احمد بن حنبل کا واقعہ

اس معذرت کے بعد عرض ہے کہ حدیث پاک میں ہے۔ اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الاولیاء ثم الامثل فالامثل۔ اولیاء کرام کو ہمیشہ سے اُمت کی خاطر تکلیفیں اٹھانی پڑی ہیں۔ ان کو تکلیفیں دینے والوں اور ان سے دشمنی کرنے والوں سے تو اللہ تعالےٰ اعلانِ جنگ فرماتے ہیں جس کا مطلب رحمت سے دور کرنا مردود کر دینا اور معرفت کا سلب کر لینا ہے اعاذنا اللہ منہ اور یہ تکلیفیں اور کوفتیں اولیاء اللہ کی بلندی درجات

کا باعث ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ خلق قرآن کے مسئلہ میں اگر حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اپنی جان بچانے کی خاطر صرف زبان سے غلط بات کا اقرار کر لیتے جس کی فتویٰ میں گنجائش تھی تو ان کے کوڑے نہ لگائے جاتے۔ لیکن انہوں نے اُمت کو گمراہی سے بچانے کی خاطر اس کو گوارا نہ کیا۔ حضرت امام کے وصال کے بعد ایک بزرگ نے خواب میں ان کی زیارت کی پوچھا کہ آپ کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے کیا معاملہ فرمایا۔ جواب دیا کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے اپنے سامنے حاضر کیا اور پوچھا کہ احمد کیا ہمارے راستے میں تمہارے کوڑے لگائے گئے تھے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں لگائے گئے تھے۔ فرمایا کہ کیا تمہارے چہرے پر بھی مارا تھا۔ عرض کیا ہاں میرے چہرے پر بھی مارا تھا۔ ارشاد ہوا۔ اچھا اب ہمارا چہرہ تمہارے لئے مباح ہے۔ (زیارت کرتے رہو) شیخ الحدیث فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالےٰ اہل جنت کو اپنے دیدار سے محروم رکھے تو اہل جنت بہشت کے خلاف بھی ویسے ہی فریادی ہوں گے۔ جیسے دوزخ والے دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں۔ حضرت امام کی استقامت جس پر یہ انعام ملا اس میں بقول حضرت امام ایک ڈاکو کا بھی حصہ ہے۔ خود ہی فرمایا کہ جب مجھے کوڑے لگانے کے لئے میرے ہاتھ باندھ کر جیل سے باہر لے جا رہے تھے تو دروازے پر ایک قیدی نے کہا تھا کہ دیکھو مولوی صاحب میرا پیشہ ڈاکہ زنی ہے جس کی سزا میں ایک دفعہ یہ میرا ہاتھ بھی کاٹا گیا ہے اور میں کئی کئی دفعہ سزا بھگت کر اب دسویں یا بیسویں (تعداد احقر کو یاد نہیں) دفعہ جیل میں آیا ہوں۔ مگر اپنے ناحق پیشے کو نہیں چھوڑا تم اگر حق پر ہو تو اپنی بات پر جمے رہنا۔ عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بڑے لوگ ہمیشہ سے اپنے چھوٹوں کی بات بھی سُن لیا کرتے ہیں اور جن میں تکبر ہوتا ہے وہ اپنے بڑوں کی بھی نہیں سنتے۔ اب آپ کے اساتذہ اور اکابر کا مختصر حال آپ کے آنکھوں دیکھا نمبر وار عرض کرتا ہوں:-

فہرست مضامین

قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم

حضرت شیخ زید مجدہم کو اللہ تعالیٰ نے جن خصائص اور امتیازات سے نوازا ہے وہ سب آپ حضرات کو معلوم ہیں مگر ذہن میں تازہ کرنے کے لئے بندہ کا مختصر رسالہ محبوب العارفین کا مطالعہ کرلیں۔ اس میں حضرت کے علمی کمالات اور خدمات کے علاوہ حضرت کی مقبولیت کے متعلق اولیاء اللہ اور عارفین کے اقوال حضرت کے یوم پیدائش سے لے کر حضرت کی ساٹھ سال کی عمر تک کے لکھے ہیں۔ یہاں صرف ایک بات مکرر لکھتا ہوں کہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری قدس اللہ سرہٗ جو مشائخ حقہ میں اپنے وقت کے قطب تھے۔ ان کا ارشاد مشہور ہے جو کئی دفعہ حضرتؒ نے فرمایا تھا کہ حضرت گنگوہیؒ کی نسبتِ خاصہ حضرت شیخ مدظلہ کی طرف منتقل ہوئی ہے اور انہوں نے اپنی عمر کے آخری دور میں جب کہ وہ معرفت وعرفان کے منتہا پر تھے فرمایا تھا کہ شیخ اِس وقت اس مقام پر ہیں جہاں حضرت گنگوہیؒ وصال کے وقت تھے اور حضرت گنگوہیؒ کے مسلکِ اہلِ حق کا متفقہ امام ہونا قطب الارشاد ہونا سب حضرات کو معلوم اور مسلّم ہے۔ ان کے متعلق حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ تذکرۃ الرشید میں لکھتے ہیں کہ آپ (حضرت گنگوہی) نے کئی مرتبہ بحیثیت تبلیغ یہ الفاظ زبان فیض ترجمان سے فرمائے تھے کہ "سن لو حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے اور میں بقسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں مگر اِس زمانہ میں ہدایت ونجات موقوف ہے میرے اتباع پر" او کما قال۔

حضرت رائے پوریؒ جیسے نے اپنی فراست، باطنی ادراک اور روشن ضمیری سے حضرت شیخ کو حضرت گنگوہیؒ کے مقام پر ۲۵ برس پہلے دیکھا تھا۔ اس کے بعد مزید ۲۵ برس میں کہاں تک ترقی ہوئی ہوگی۔ اِس کا اندازہ کرنے کے لئے یہ ملحوظ رہے کہ اولیاء اللہ کی ترقی کی رفتار دن بدن بڑھتی رہا کرتی ہے۔ یعنی جتنی ترقی ۶۰ برس کی عمر سے پہلے کے ۲۵ برس میں ہوئی تھی ان کے بعد

فہرست مضامین

کے ۵ ابرس میں عام حساب کے مطابق دوگنی نہیں ہوئی بلکہ دن بدن ترقی کی رفتار بڑھتے رہنے کی وجہ سے بے حد وحساب عروج حاصل ہوا جیسا کہ کہا گیا ہے ؎

سیرِ زاہد ہر شبے یک روزہ راہ ، سیرِ عارف ہر دمے تا تختِ شاہ

چنانچہ اب جب کہ حضرت اقدس کے مقام کا ادراک کرنے والا کوئی نہ رہا تو عطایا خداوندی و مقامات کے بانٹنے والے (انما انا قاسم واللّٰہ یعطی) اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے تو علما و صلحا روقت کے دلوں میں حضرت کے امام وقت اور قطب الارشاد ہونے کا القا فرمایا پھر صلحا کو بذریعہ رویا رصالحہ اور مکاشفات میں حضرت کے مقام قطبیت کو ظاہر فرمایا گیا پھر آخر میں براہِ راست خود حضرت اقدس کو قطب الاقطاب ہونے کا مژدہ سُنا دیا گیا اور ساتھ ہی دوسروں کو بھی بتا دینے کا حکم صادر فرما دیا۔

منامات و مکاشفات کے بارے میں عوام میں تو افراط و تفریط خوب پائی جاتی ہے لیکن علماء کرام تو اس کی اہمیت اور درجہ کو سمجھتے ہیں۔ اس لئے یہاں تفصیل کی ضرورت نہیں بندہ نے اس بارے میں رسالہ بہجۃ القلوب میں علماء راسخین کے اقوال درج کر دیئے ہیں۔

لیکن جن رویا صالحہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات ہوں ان کی صداقت خصوصی طور پر بخاری و مسلم میں آئی ہے وہ بھی علماء حضرات کے سامنے ہے۔ پھر اس زیارت والے خوابوں میں بھی خواب دیکھنے والے کی حیثیت کا لحاظ رکھ کر اہمیت دی جاتی ہے اِن دونوں باتوں کو پیشِ نظر رکھ کر مندرجہ ذیل حضرت کے دو خواب ملاحظہ ہوں۔ جو حضرت کے ذاتی روزنامچہ سے نقل کرتا ہوں۔

مکہ مکرمہ کے قیام میں ۹ شعبان ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۲ جون ۱۹۸۱ء بروز جمعرات زکریا (حضرت اقدس) نے ایک خواب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں ولی اللہ نامی شخص کو بلایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ زکریا شیخ الحدیث سے کہہ دو کہ تجھے قطب الاقطاب بنا دیا گیا۔ یہی اپنے آپ کو سمجھے اور لوگوں سے کہدے چنانچہ مجھ سے کہدیا گیا نقط

خواب ہی میں میں نے بعد میں سوچا کہ ولی اللہ سے مراد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نور اللہ مرقدہٗ ہیں اور ان کو ذریعہ بنانے کی وجہ یہ ہوئی کہ میرے دل میں کبھی کبھی حضرت شاہ صاحبؒ کے متعلق یہ خیال آتا رہا کہ شاہ صاحب کی تحریرات میں جو اپنے متعلق ناطقِ دوران اور یہ کہ مجھے اس مجمع کا مجمع اور اس قسم کے بہت سارے الفاظ خود حضرت شاہ صاحب کی تحریرات میں ملتے ہیں جو بہت اونچے ہیں۔ مجھے خیال ہوتا رہا کہ شاہ صاحب نے اپنے متعلق یہ الفاظ کیوں تحریر فرما دیئے۔ خواب ہی میں مجھے یہ خیال ہوا کہ یہ تیرے اُس خیال کی اصلاح ہے مجھے خیال ہوا کہ میرے اس خیال نازیبا کی اصلاح مقصود ہے کہ شاہ صاحب نے اس قسم کے الفاظ حکماً لکھے ہیں۔

دوسرا خواب

حضرت اقدس نے فرمایا کہ سیّد الکونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی مجھے زیارت ہوئی اور حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے شکایت کی کہ زکریا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضری کا اشتیاق بہت ہو رہا ہے لیکن میرا جی چاہے کہ کچھ اور اس سے کام لیا جائے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ ہاں اس کو یہاں آنے کا اشتیاق تو بہت ہے مگر میرا بھی یوں ہی جی چاہے کہ اس سے کچھ اور کام لیا جائے۔ اس خواب کے بعد میں بہت حیرت میں پڑ گیا کہ میں کسی کام کا نہیں ساری عمر یونہی بیکار ضائع کی اب کیا کام کروں گا۔ اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمت میں حاضری کا اشتیاق میں کیا کروں۔ میرا حاضری کا مونہہ ہی نہیں۔ مگر کچھ دنوں بعد چچا جان کا واقعہ یاد آیا وہ یہ کہ جب چچا جان (حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ) مدینہ منورہ آئے تو ان کا ارادہ یہاں ٹھہر جانے کا ہوا۔ روضہ اقدس سے اشارہ ہوا کہ ہندوستان جاؤ تم سے کام لینا ہے۔ چچا جان نے فرمایا کہ میں بہت دنوں تک پریشان رہا کہ بولنا مجھے نہیں آتا۔ تقریر مجھے نہیں آتی۔ میں ضعیف کیا کام کروں گا۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کے بڑے بھائی مولانا سیّد احمد صاحبؒ نے

جب انہیں پریشان دیکھا تو کہا کہ اس میں پریشانی کی کیا بات ہے، یہ تو نہیں کہا گیا کہ تم کام کرو بلکہ کہا گیا کہ تم سے کام لیا جائے گا لینے والا خود دیسے لے گا۔ اس کے بعد چچا جان کو اطمینان ہوا۔ ہندوستان آکر تبلیغی کام شروع ہوا۔ اور ماشاء اللہ خوب چلا۔ میں نے بھی سوچا کہ یوں نہیں کہا گیا کہ تو کر بلکہ یوں کہا کہ کام لیا جائے گا۔ میں سوچتا ہی رہا کچھ دنوں بعد خیال ہوا کہ ذکر شغل کی لائن بالکل لوٹ گئی ہے ہندوستان پاکستان کی اکثر خانقاہیں برباد ہو گئی ہیں۔ اس واسطے شاید حضرت گنگوہیؒ کی بھی یہی منشا ہو کہ ذکر شغل ان کی خانقاہ کا اہم مشغلہ تھا اور جب حضرت آنکھوں سے معذور ہو گئے تو تعلیم کی جگہ بھی ذکر شغل نے لے لی تھی۔ اس لئے مجھے ذکر شغل کا اہتمام ہو گیا اور اسی بناء پر اپنے معمولات اور معذوری کے باوجود لندن پاکستان اور اب افریقہ جہاں جہاں بھی خانقاہ قائم کرنے کا وعدہ ہو جس حال میں بھی ہوں پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اللہ کرے یہ کام اللہ کے فضل سے کچھ چل نکلے اور یہی مراد حضرت کی بھی ہو تو کچھ سرخروئی ہو جائے۔

آج کل جو ہر دینی شعبے میں انتشار اور فتن کا زور ہے جن کی خبریں سن سن کر حضرت اقدس کو پوری پوری رات نیند نہیں آتی اور سخت روحانی و قلبی تکلیف کی وجہ سے صحت بہت ہی کمزور ہو گئی ہے صحت کے لحاظ سے انتہائی خطرناک حالت میں اور سفر سے وحشت اور ساری عمر کے معمول کے خلاف اب دور دور کے اسفار صرف اس مقصد کے لئے فرما رہے ہیں تاکہ ذکر کے مراکز قائم ہوں۔ کیونکہ حضرت کے نزدیک تمام خرابیوں کا باعث اخلاص اور تعلق باللہ کی کمی ہے اور اس کے حصول کا واحد علاج ذکر اللہ کی کثرت ہے اس لئے آج کل حضرت اقدس خاص طور سے اس لائن کی طرف متوجہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حضرت کو جو مقام دیا ہے اس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ وہ ایسے امر کی طرف متوجہ ہوں جو سارے کاموں کی روح اور سب سے اہم ہو اور ہمارے لئے دوسری اہم بات یہ ہے کہ جس کام کی طرف حضرت متوجہ ہوں وہ چونکہ مرشد من اللہ ہوتا ہے اس میں لگنے والے فلاح پاتے ہیں۔

حضرت کے مقام رفیع خصوصاً ذکر کی لائن کی طرف متوجہ ہونے کی تائید میں حضور اقدس صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مبشرات وارشادات ،بہجۃ القلوب میں ملاحظہ فرمائیں یہاں صرف چند عنوان لکھنا کافی ہیں (۱) ذکر کی لائن کی حضرت کی تصنیف شریعت و طریقت کا تلازم کے متعلق اس کی تعریب کرنے کا حکم۔ (۲) ارشاد ہوا کہ روحانیت کی گاڑی تو یہی (حضرت شیخ) چلا رہے ہیں۔ (۳) ہمارے ہر قسم کے خزانے کے یہ (حضرت شیخ) مالک ہیں (۴) یہی ہمارے نائب وارث اِس حکومت کے ہیں (وارث نبوت ہیں جہاں علم نبوت ہیں وہاں انوار نبوت بھی ہیں)۔ (۵) آج کل اللہ کی مدد و نصرت و قبولیت ان کے ساتھ ہے۔ (لہٰذا غور کرنا چاہیئے کہ حضرت کس کام میں متوجہ ہیں)۔ (۶) اُن کے دل میں (حضرت کے دل میں) نور اللہ ہی کی طرف سے آرہا ہے۔ (۷) اُن کی طرف تو میں خود متوجہ رہتا ہوں (۸) اُن کی مثال بادل کی سی ہے۔ (۹) یہ (حضرت) دین کے ستون اور حق کی علامت ہے (۱۰) یہ قطب الاقطاب ہیں۔ اَب آپ سوچ لیں قطب الاقطاب کو یہ ساری بشارتیں کسی لائن کی مل رہی ہیں اور آج کل اُن کی ساری توجہ اور کوشش اور اسفار کس کس لائن کے لئے ہیں۔ حضرت کا مقام ملنے والے کے لئے کیا یہ اِس بات کا ثبوت نہیں کہ آج کل اِسی کام کی زیادہ ضرورت ہے اور یہی قبولیت اور دین کے فروغ کا ذریعہ ہے۔

اَب آپ حضرات اپنے دیگر مسلمہ اکابر کے ارشادات دین کے اِس شعبہ کے متعلق سُنیں

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کا ارشاد

حضرت شاہ صاحب تفہیمات الالٰہیہ میں احسان کے متعلق فرماتے ہیں کہ تصحیح اخلاص و احسان کو جو اِس دین کی اصل ہے جس کو اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کے لئے پسند فرمایا ہے قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے یہ جزوِ شریعت کے مقاصد میں سب سے دقیق فن ہے اور بہت گہرا ہے جملہ شرائع کے مقابلہ میں جو بمنزلہ روح کے ہے بدن کے مقابلہ میں اِس فن کا تکفل صوفیاء نے کیا ہے انہوں نے خود ہدایت پائی اور دوسروں کو ہدایت فرمائی

اور انتہائی سعادت کے ساتھ کامیاب ہونے۔ اس پر حضرت مولانا وصی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ دیکھئے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اخلاص و احسان ایسی عظیم چیز ہے کہ علوم و اعمال کی ان کے بغیر حیثیت ہی باقی نہیں رہتی۔

اِس مضمون کو ملا علی قاریؒ نے حدیث جبرائیل کی شرح میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد اخلاص ہے اِس لئے کہ اخلاص شرط ہے ایمان و اسلام کی صحت کے لئے اس سے معلوم ہوا کہ احسان مترادف ہے اخلاص کے

حضرت قطب العالم گنگوہیؒ کا ارشاد

ایک مکتوبِ گرامی میں تحریر فرماتے ہیں کہ بعثت فخر رسل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اس کے واسطے تھی اور جملہ صحابہ اس نسبتِ احسان کے حامل تھے علی حسب مراتبہم۔ پھر اولیا امت نے اس کو دلا طریقہ سے پیدا کیا۔ (مکاتیب رشیدیہ)

ایک دوسرے مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں۔ یہ مکتوب ایک مسئلہ کے ذیل میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے نام ہے اِس لئے مجمل ہے۔

فرماتے ہیں کہ تحصیل نسبت (احسان) اور توجہ الی اللہ مامور من اللہ ہے۔ اگرچہ یہ کلی مشکک ہے کہ ادنیٰ اس کا فرض اور اعلیٰ اِس کا مندوب اور صدہا آیات و احادیث میں مامور ہونا اس کا ثابت ہے اور طرح طرح کے طرق واوضاع سے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بلکہ خاص حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ گویا ساری شریعت اجمالاً وہی ہے جس کا بسط بوجہ طول ناممکن ہے اگر آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ ہر آیت و ہر حدیث سے وہی ثابت ہے۔ (تذکرۃ الرشید)

امام ربانی حضرت گنگوہیؒ ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں کہ فی الواقع شریعت ہی فرض اور مقصدِ اصلی ہے طریقت بھی شریعت باطنی ہے اور حقیقت و معرفت متمم شریعت ہیں۔ اتباع شریعت بدون معرفت نہیں ہو سکتا۔

تاج المحدثین زبدۃ الفقہا حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری مہاجر مدنی قدس سرہ کے ارشادات

حضرت مولانا شبیر محمد صاحبؒ نے حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ سے پوچھا کہ حضرت یہ پیرزادے اور مولوی اکثر محروم کیوں رہتے ہیں (یعنی تحصیل نسبت و احسان سے) فرمایا کہ پیرزادے تو باپ کے بعد اپنے کو پیر سمجھ بیٹھتے ہیں اور مولوی تحصیل علم کر کے عالم فاضل ہو جاتے ہیں کہ آئندہ کسی شے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ علماء علم کو کافی سمجھ کر مطمئن ہو جاتے ہیں حالانکہ ابھی ان کو آخری درجہ اور سطے کرنا ہے (یعنی ذکر شغل کی لائن سے تحصیل نسبت) جو سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہے کہ اس کے بغیر علم موجب وبال ہے اور عمل پوست بے مغز کی طرح ردی اور بے کار حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ علم حدیث بالذات ہر چیز پر مقدم ہے لیکن حقیقت میں تصوف کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرح ہے۔ جب اس کی ضرورت ہی ذہن میں نہ ہو تو طلب نہ ہوگی اور طلب کے بغیر قوی النسبت شیخ کے بیٹے اور بیوی کو بھی کبھی کچھ نہیں ملا۔ اجنبی کو دس بیس سال رہنے سے تو کیا مل سکتا ہے۔ (تذکرۃ خلیل)

حضرت اقدس شاہ رائے پوری قدس سرہ کا ارشاد

فرمایا یہ مولوی ظاہری علوم حاصل کرنے میں آٹھ آٹھ سال لگاتے ہیں اگر اس کی روح اور مغز کو حاصل کرنے کے لئے خانقاہ میں آٹھ ماہ لگالیں تو کافی ہو جائے۔

اور کبھی متوسط استعداد والوں کے لئے آثار ذکر پیدا ہونے کے واسطے چار ماہ بھی فرماتے ہیں۔ اور حضرت گنگوہیؒ جیسے کو یہ دولت تو سات ہی روز میں حاصل ہوگئی تھی مگر تکمیل کے لئے حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس ایک چلہ گزار کر خلافت حاصل کر کے وطن واپس لوٹے اور حضرت اقدس شیخ دامت برکاتہم کے ہاں رمضان المبارک کے ایک ہی چلہ میں بہت سے لوگ صاحب نسبت ہو جاتے

ہیں گو اجازت کا ملنا دوسرے امور پر بھی موقوف ہوتا ہے۔ جو مقصد نہیں بلکہ اس کی طلب و خیال مقصد میں ناکامی کا بڑا سبب ہے۔ لیکن چلہ کے یہ اثرات جب ہی ہیں جب طلب و ارادت وغیرہ پوری شرائط کے ساتھ ہوں چاہے وہ شرائط چالیس سال کے بعد قابو میں آئیں یا کبھی بھی نہ آئیں۔ کیونکہ اکثر دیکھا گیا کہ لوگ دو رخی نہیں چھوڑتے اگر کوئی ایک لائن پر چلے تو چاہے کتنا ہی سست رفتار ہو ایک نہ ایک وقت پہنچ ہی جاتا ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

ذکر کی لائن کی طرف عدم توجہ کے بارے میں حضرات علماء کرام کے چار مشہور اشکال

(۱) درجہ احسان حاصل کرنا فرض نہیں مستحب ہے۔ (اس کا جواب رسالہ فیض شیخ ص۹۱ میں ہے۔)

(۲) ہم کو یہ حاصل ہی ہے (اس کا جواب معمولات رمضان حضرت شیخ مطبوعہ مکتبہ بنوریہ میں حقیر کا مضمون ہے)

(۳) ہم جو رات دن قرآن و حدیث پڑھتے پڑھاتے ہیں تبلیغ کرتے ہیں اور اذکار مسنونہ کرتے ہیں کیا یہ سب کافی نہیں جیسا کہ صحابہ کو کافی تھے کہ اس وقت یہ طرق وغیرہ تو نہیں تھے (اس کا جواب اکابر کے سلوک و احسان میں حضرت اقدس کا ایک خط اور اسی رسالہ مقالۃ القلوب کے شروع میں مفصل ہے، وہ رسالہ نصیحت اور خط میں بھی ملاحظہ کریں۔

(۴) اصلاح قلب کے لئے تقویٰ اور عبادات اعمال کافی ہیں جو ہم کرتے ہیں (اس کا مفصل جواب فیض شیخ میں ہے اور رسالہ محبت میں بھی حضرت قاضی ثناء اللہ صاحبؒ کی کتاب ارشاد الطالبین سے نقل ہے کہ یہ خیال حدیث پاک کے خلاف ہے۔)

ان جوابات کو دوبارہ نقل کرنے میں پندرہ بیس صفحے اور بڑھ کر رسالہ کا حجم بڑھ جاتا پھر تو حضرات کو دیکھنے کی فرصت ہی نہیں ہوتی اگر گذشتہ اوراق میں اکابر کے ارشادات کا کچھ وزن کسی کے نزدیک ہوگا تو اس کو مندرجہ بالا چھوٹے چھوٹے رسالے دیکھنے کچھ مشکل نہیں۔

ایک فضول سا اشکال جہلاء صوفیاء کی رسومات اور ان کے معاملات و اخلاق کی بدحالی کا ہے جس

کا جواب اکابر کے سلوک و احسان کے مقدمہ میں حضرت مولانا علی میاں صاحب نے بیان فرمادیا ہے جو قابل دید ہے بلکہ اس کو حضرت اقدس نے اپنی کتاب شریعت و طریقت میں بھی نقل کروایا ہے۔

تتمہ گذارش

آجکل مدارس دینیہ کے طلباء کو بیعت و ذکر کیطرف لگانا اور مدرسہ کیساتھ خانقاہ کا قیام

(اور دار العلوم بری انگلینڈ میں تجربہ)

اس بارے میں پہلے دو متبرک مکتوب نقل کرتا ہوں جو علماء حضرات کیلئے بہت کافی و شافی ہیں آگے عام حضرات کے لئے تفصیل بھی عرض کی جائے گی۔ (اختصار کے پیش نظر سارا مکتوب نقل نہیں کرتا صرف موضوع کے متعلق فقرے نقل کرتا ہوں مفصل اکابر کے سلوک میں درج ہے۔)

مکتوب گرامی مخدوم العلماء حضرت اقدس علامہ سید محمد یوسف صاحب بنوری قدس سرہ بنام حضرت قطب الاقطاب شیخ الحدیث دامت برکاتہم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

مخدوم گرامی برکۃ ہٰذہ العصر حضرت شیخ الحدیث رفع اللہ درجاتہ وافاض علینا من برکاتہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جب سے کراچی پہنچا ہوں عریضہ لکھنے کا ارادہ کرتا رہتا ہوں لیکن توفیق نہیں ہوئی ایک طرف مشاغل کا ہجوم۔ دوسری طرف کسل کا ہجوم آپ کو حق تعالےٰ نے حسن نظم کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ ہر کام وقت پر ہو جاتا ہے۔ میں اس نعمت سے محروم ہوں۔ اللہ تعالےٰ رحم فرمائے آمین۔

(الفاظ میں عالم ربانی کی شان توکل ملاحظہ ہو۔)

عزیزم محمد سلمہ نے آپ کا مکتوب مبارک دیا بلکہ سنایا۔ دوبارہ خود بھی پڑھا حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی عیادت و زیارت کے لئے دار العلوم گیا تھا۔ وہاں بھی میں نے ذکر کیا۔ فرمایا کہ زبانی بھی (حضرت شیخ سے) اس کا ذکر آیا تھا۔ اساتذہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا شوریٰ کا اجلاس تھا۔ اس مجلس میں مکتوب گرامی سنایا

گیا اور عمل کرنے کے لئے تدبیر و مشورہ پر غور بھی ہوا بات تو بالکل واضح ہے۔ ذکر اللہ کی برکات والوار سے جو نتائج مرتب ہوں گے وہ بھی واضح ہیں اور میں اس کی تلافی کے لئے ہمیشہ یہ کہا کرتا تھا کہ ہر مدرسہ کے ساتھ خانقاہ کی ضرورت ہے۔ ہمارے اکابر جس اخلاص اور تعلق مع اللہ کے مجسمے تھے وہ محتاج بیان نہیں ان کی تدریس و تعلیم سے غیر شعوری طور پر ہی تربیت ہوتی تھی اور ان کی قوت نسبت سے اتنا اثر ہوتا تھا کہ درس سے فراغت کے بعد ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی ذاکر اعتکاف سے باہر آرہا ہے۔ بلاشبہ کاملین کا دور ختم ہوا تو اس کی تکمیل کے لئے اس قسم کی تدابیر کی ضرورت ہے۔ (حضرت شیخ دام مجدہم نے مدرسہ میں ذکر شغل کے سلسلہ کو جاری کرنے کا تحریر فرمایا تھا) حق تعالیٰ جلد سے جلد عملی طور پر اس کی تشکیل کی توفیق نصیب فرمائے۔ (چنانچہ خود حضرت بنوری تو شیخ طریقت تھے ہی مدرسہ کے دیگر کئی استاذ حضرت شیخ کے مجاز ہو گئے اور وہاں الحمد للہ مجلس ذکر قائم ہے۔) آگے فرماتے ہیں کہ یہ چیز واضح ہے کہ عام طور پر طلباء تعلیم کے زمانہ میں اپنی تربیت و اصلاح کی طرف قطعاً متوجہ نہیں ہوتے اور یہ پہلو بے حد خطرناک ہے۔ جب مدرسین بھی اس قوی نسبت سکینہ کے حامل نہ ہوں اور طلباء بھی اپنی اصلاح سے غافل ہوں۔ اذکار و ادعیہ کا التزام بھی نہ ہو۔ حفت النار بالشہوات کا منظر قدم قدم پر ہو تو ذکر اللہ کی کثرت کے بغیر چارہ کار نہیں۔ میں آپ کی خاص دعوات و توجہات کا محتاج ہوں۔

اقتباس جواب از حضرت اقدس شیخ الحدیث دامت برکاتہم

المحترم المکرم ...... زاد مجدہم بعد سلام مسنون۔ آپ نے اکابر کے متعلق جو لکھا وہ حرف بحرف صحیح ہے بہت سے اکابر کی صورتیں خوب یاد ہیں بلا مبالغہ صورت سے نور ٹپکتا تھا اور چند روز پاس رہنے سے خود بخود طبائع میں دین کی عظمت اور اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی تھی۔ آگے فرماتے ہیں میری نگاہ میں ایسے اشخاص گذرے ہیں یعنی طلباء جو دورہ حدیث سے فراغ پر صاحب نسبت ہو جاتے تھے حضرت میاں جی صاحب نور اللہ مرقدہ کے یہاں تلاوت قرآن کے درمیان میں ہی بہت سے مراحل طے ہو جایا کرتے تھے۔ مگر یہ چیز تو قوت تاثیر اور کمال تاثر کی محتاج ہے جو ہر جگہ حاصل نہیں ہوتا۔ کہیں یہ چیز حاصل ہو جائے تو یقیناً ذکر شغل کی ضرورت نہیں۔ قرآن پاک اور احادیث میرے خیال میں معمولات

اور جواہرات ہیں لیکن جس کو پہلے معدہ کے صاف کرنے کی ضرورت ہو اس کو تو پہلے اسہال کے لئے دوائی دیں گے ورنہ قریہ قوی غذائیں ضعف معدہ کے ساتھ بجائے مفید ہونے کے مضر ہو جاتی ہیں۔ چونکہ طلباء میں اب (جیساکہ آپ نے بھی لکھا ہے) بجائے تلاوت کے لغویات کی مشغولی رہ گئی ہے بلکہ بعضوں میں تو استکبار کی نوبت آجاتی ہے اس لئے اس کی ضرورت ہے کہ قرآن و حدیث کی اور اللہ تعالےٰ کی محبت پیدا کرنے کے لئے کوئی لائحہ عمل آپ حضرات تجویز فرمائیں۔ پہلے ہر شخص کو (طلباء کو بھی) اپنی اصلاح کا خود فکر تھا وہ خود ہی امراض کے علاج کے لئے اطباء کو ڈھونڈتے تھے اب وہ امراض قلبیہ سے اتنے بے گمانہ ہو چکے ہیں کہ مرض کو مرض بھی نہیں سمجھتے۔ کیا کہوں اپنے مافی الضمیر کو اچھی طرح ادا کرنے پر قادر بھی نہیں اور ان مہمانان رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں تحریر میں کچھ لانا بھی بے ادبی سمجھتا ہوں ورنہ اہل مدارس کو سب کو ان کے تجربات خود حاصل ہیں کہ جماعت اور تکبیر اولیٰ کی بجائے سگریٹ اور چائے نوشی میں جماعت بھی جاتی رہتی ہے۔ فالی اللہ المشتکیٰ۔

آپ یہ دیکھ ہی رہے ہیں کہ قرآن و حدیث کے پڑھنے پڑھانے کا اسٹرائیکوں سے مقابلہ کیا جا رہا ہے۔

(بقیہ مکتوب میں دوسرا مضمون ہے) حضرت شیخ الحدیث صاحب

مدینہ منورہ ۲۰/۱/۹۶ھ

تدابیر کی تبدیلی کے متعلق حضرت گنگوہیؒ کا ارشاد

پہلے زمانے میں ہمارے اکابر اور حضرت گنگوہیؒ طلباء کو بیعت نہیں کرتے تھے گو حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کو بچپن ہی میں بیعت فرما لیا تھا کیونکہ اللہ پاک نے ان سے تبلیغ میں عظیم الشان تجدیدی کام لینا تھا۔ اب عمومی طور پر اس کی ضرورت ہو گئی ہے۔ اور کسی تدبیر میں تبدیلی کے متعلق حضرت گنگوہیؒ کا ایک اصولی ارشاد حکیمہ فرماتے ہیں کہ باعتبار زمانہ کے اختلاف کے تدبیر علاج اول دوسرے وقت میں بدل جاتی ہے جو معالجات کہ سو برس پہلے ہمارے ملک کے تھے اور جو کچھ کہ کتب سابقین میں لکھے ہوئے ہیں اب ہرگز وہ کافی نہیں ان کا بدل ڈالنا کتب طب کے اصل قواعد کے موافق ہے اگرچہ علاج

جزوی کے مخالف ہو پس اس کو نفی الحقیقت ایجاد کہا جائے گا بلکہ تعمیل اصل اصول کی قرار دی جائے گی۔ یہ تفصیل رسالہ ھذا میں دوسرے مسئلہ کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

مدارس میں بیعت وذکر کو داخل کرنے میں مندرجہ ذیل امور بھی قابل توجہ ہیں

(۱) آج کل تصوف کے نصاب میں حضرت شیخ کے ابتدائی معمولات اور پھر ابتدائی اشغال اور بیعت کا تعلق جو مقصود ہے اتنا پہلے زمانے کے طلباء کو بالعموم اساتذہ کی محض صحبت ہی سے حاصل ہو جاتا تھا۔ جیسا کہ حضرت جزوی اور حضرت شیخ کی مکاتبت میں آگیا اور تعلیم کے زمانے میں اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہوتی (مقصود کی تفصیل اس رسالہ کے شروع میں گذر چکی) اور اس وقت کے سلوک اشغال ومجاہدات اختیار کرنے میں تعلیم سے محرومی کا خطرہ تھا۔

(۲) آج کل کے آسان مختصر مسنون اور ضروری تصوف میں لگ کر تعلیم کا حرج ہونا صرف مفروضہ کے درجہ میں رہ گیا ہے۔ آج کل سلوک میں قدیم زمانے کے مجاہدات واشغال تو متروک ہی ہو گئے ہیں اب تو فارغ لوگ بھی صرف ضروری درجہ ہی کو حاصل کرتے ہیں اور زیادہ تو صرف تصوف کی کتب ہی میں لکھا ہوا ہے یا کوئی خاص خاص عمل میں لاتے ہیں طلباء سے مدرسہ میں نہ تو اس کا مطالبہ ہے نہ ضرورت ہے کہ ضروری درجہ اختیار کرنے کے بعد علوم دینیہ میں ان کی مشغولیت مجاہدہ اور راز کار کا بدل ہو جاتا ہے لیکن ضروری درجہ کے بغیر بقول حضرت سہارنپوری ان کے علم باعث وبال اور علم وخدمات دینیہ بے مغز اور ردی ہیں۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ آج کل طبائع کے بدل جانے سے طلباء کے پاس تعلیم سے زیادہ فضولیات کے لئے بہت وقت ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت کے مکتوب گرامی میں گذر چکا۔

(۴) چوتھی بات یہ ہے کہ طلباء مدرسہ میں آٹھ نو سال کے لئے صرف ضروری فرض علم دین حاصل کرنے کے لئے داخلہ نہیں لیتے بلکہ پورے دین میں تکمیل اور اعلیٰ درجہ حاصل کرنا ان کا مقصد ہوتا ہے۔

دین کے اندر فرض پر اکتفا کرنے والے عوام اگر تکمیلی درجہ کی طرف توجہ نہ کریں تو کوئی حیرانی نہیں لیکن جو حضرات دین کا کمال چاہتے ہیں اور اس کے لئے دینی شعبوں کے علم وعمل میں خوب مجاہدہ اور ان کے تمام اوقات اس اپنی دینی ترقی ہی میں مشغول ہیں ان میں سے بعض اہل علم پر تعجب ہے کہ وہ اس کیفیت احسان کے حصول کو مستحب کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔ حالانکہ اس مستحب کے بغیر ان کے علوم اور خدمات کا کوئی وزن اور حیثیت ہی نہیں رہ جاتی جیسا کہ بزرگوں کے ارشادات میں گذر چکا کہ اس تکمیلی درجہ حاصل کئے بغیر علم موجب وبال اور عمل پوست بے مغز کی طرح ردی اور بے کار ہے یہ سب ارشادات ان علماء ربانیین کے ہیں جن کے راسخین فی العلم ہونے کو آپ دل سے مانتے ہیں۔

یہاں ایک موٹی بات عرض کی جاتی ہے جس پر نفس اور شیطان متوجہ ہی نہیں ہونے دیتے۔ جیسے کہ موت کا آنا کیسا یقینی کیسا ظاہر اور کتنا اہم ہے۔ لیکن ہم لوگ ہر وقت اپنی ذات کے نفع نقصان کی فکروں میں مشغول رہتے ہیں یہ نہیں کہ بے کار نکمے رہتے ہوں مگر موت جیسے اپنے اہم معاملہ کی طرف توجہ بہت سرسری اور اوپری رکھتے ہیں یعنی بس اس پر اعتقاد ہی کو کافی سمجھتے ہیں کہ ہاں موت تو آنا ہے حالانکہ حدیث میں ہے کہ وہ سر پر کھڑی ہے اور یہ ایسی ظاہر بات جسکا کافر کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ مقصد یہ جسکہ اتنا ماننے سے تو کوئی بشر خالی نہیں۔ لیکن جو آدمی موت کی فکر میں کچھ عملی کام نہیں کرتا مثلاً مسلمان ہو کر نماز روزہ نہیں کرتا۔ لوگوں پر ظلم کرتا ہے اور ہر وقت دنیا ہی میں مشغول رہتا ہے تو ایسے آدمی کو کہا جاتا ہے کہ اس کو موت یاد نہیں اور اگر یاد ہے تو بہت ہی احمق ہے کیونکہ موت کا فکر کرنا اسکی تیاری میں کچھ کرنا کسی غیر کے لئے تو نہیں تھا بلکہ خود اس کے اپنے ہی عظیم الشان نفع کے لئے تھا بس شیطان غفلت میں ڈالے رکھتا ہے توجہ ہی نہیں کرنے دیتا۔

اسی طرح گرامی قدر ومنزلت طلباء حضرات سے بہت ادب کے ساتھ عرض جسکہ حصول علوم میں اور اس کے بعد دینی خدمات میں آپ کی ہمہ تن مشغولی اور دن رات کی محنت خدانخواستہ دنیا کے مال وجاہ کے لئے تو نہیں ہے اگر بالفرض کسی نے یہ لائن دنیا کے لئے اختیار کی ہوئی ہو تو اس نے بہت غلط کام کیا ہے وہ خسر الدنیا والآخرہ کا مصداق ہے۔ کیونکہ آج کل دینی لائن سے دنیا حاصل کرنے

کا زمانہ نہیں رہا۔ جو کر رہے ہوں گے وہ کامیاب نہیں ہیں بلکہ خسارہ اور دھوکہ میں ہیں۔ آج کل دنیاوی علوم ڈاکٹری انجینیئری وغیرہ اور دنیاوی کاروبار تجارت صنعت وغیرہ سے مال و جاہ زیادہ حاصل ہوتا ہے اور وہ دینی لحاظ سے حلال اور مباح بھی ہے اس کو اختیار کرتے ہوئے بھی آپ دین دار بن سکتے ہیں کہ دیندار بننے کے لئے نماز روزہ اعمال کے مسائل میں بہشتی زیور جتنی تعلیم بہت کافی ہے اور عمل پر پڑنے کے لئے فضائل اعمال کے چند رسائل کا مطالعہ کافی تھا۔ یہ کام دیگر مشاغل کے ساتھ ساتھ چند ماہ میں ہو سکتا تھا۔

لیکن آپ حضرات تو دنیا کو نظر انداز کر کے دین کے اعلیٰ اور تکمیلی درجہ کے حصول میں لگے ہوئے ہیں۔ اور دین میں جس طرح کسی چیز کے جائز ناجائز ہونے کا مدار اپنی عقل و تجویز پر نہیں ہے بلکہ قرآن حدیث ہی معیار ہے۔ اسی طرح دین میں درجات کا کمال و نقصان اور اعلیٰ و ادنیٰ اور وزن کا معیار بھی وہی ہو سکتی ہے۔ بس احقر کو اس موٹی بات پر متوجہ کرنا ہے کہ حدیثِ پاک میں حدیثِ جبرئیل میں واضح طور پر ایمان اور اسلام کی تعریف کے بعد الگ سے دین کے تیسرے تکمیلی درجہ احسان کو بیان فرمایا گیا ہے جس سے مسلمانوں کے کسی طبقہ کو انکار نہیں۔ پھر اس تکمیلی درجہ کا ثمرہ بھی ارشاد فرما دیا۔ کہ صحابہ کرام نے راہ خدا میں جو نصف صاع جَو خرچ فرمایا ہے اگر دوسرا اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو دونوں برابر نہیں۔ اعمال کی قیمت اور وزن میں اتنا بڑا فرق حدیثِ پاک میں پڑھتے ہوئے بے فکری سے آگے چل دینے کی بات نہیں ہے بلکہ یہاں غور اور تدبر کی ضرورت ہے کہ یہ فرق کیوں ہے حالانکہ جن عقائد و اعمال کے مخاطب و مکلف صحابہ کرام تھے انہیں کے مخاطب و مکلف بعد والے بھی ہیں۔ ایسا نہیں کہ ان کے لئے دوسرے اعمال و عقائد تھے اور ہمارے لئے دوسرے۔ یہی حال علم کا ہے جو حدیثیں ان کو معلوم تھیں وہی ہمیں معلوم ہیں یہی حال عمل کا ہے جو نماز روزہ جس طریقہ سے وہ ادا کرتے تھے وہی ہم بھی کرتے ہیں۔

حدیثِ پاک میں بیان فرمودہ فرق کی وجہ میں حدیث قرآن کے ماہرین آپ کے اساتذہ کا اتفاق ہے کہ یہ فرق اعلےٰ درجہ کی احسانی کیفیت کی وجہ سے ہے یا یہ کہہ لو کہ یقین و اخلاص کے اعلےٰ مقام

کی وجہ سے ہے۔ یہ مقام یعنی صحابی کے درجہ کا اخلاص غیر صحابی کو تو نہیں حاصل ہو سکتا ہے لیکن دوسرے بزرگوں اولیاء اللہ کے اعمال کا وزن اور قبولیت اسی کیفیتِ احسان اخلاص اور یقین کی بناء پر ان لوگوں کے اعمال سے لاکھوں گنا زیادہ ہوتا ہے جو ان باطنی کمالات یعنی نسبتِ احسان سے خالی ہوتے ہیں (اس کا مفصل بیان رسالہ کے شروع میں بھی آچکا) احقر کی درخواست ہیکہ اس سے آگے پڑھنے سے پہلے آپ حضرات چند منٹ گردن نیچے کرکے سوچیں کہ کیا ہمکو یہ درجہ حاصل ہے یا ہم اس کے حصول کی فکر اور کوشش میں ہیں۔ کیونکہ جس طرح ہم لوگ ارکان ایمان کی تفاصیل وقت لگا کر کتابوں سے حاصل کرتے ہیں اور ارکان اسلام نماز روزہ کی تفاصیل بڑی بڑی کتب سے کئی برس لگا کر محنت سے حاصل کرتے ہیں اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ نماز کے سارے آداب معلوم ہو جائیں تاکہ اچھی سے اچھی نماز پڑھ سکیں اگر کوئی سارے مسائل سیکھ کر نماز نہیں پڑھتا تو ہر کوئی اس کے علم سیکھنے کی محنت کو بے کار ہی کہے گا۔ اسی طرح کیا احسان و اخلاص کے حصول کے لئے بھی کچھ کرنے اور وقت لگانے کی ضرورت ہے یا نہیں۔ یا محض حدیث جبریل کے پڑھنے ہی سے خود بخود حاصل ہو جائے گا۔ اس بارے میں ہمارے تمام اکابرین کی مثالیں بھی ہمارے سامنے ہیں کہ حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ جیسوں کو بھی باوجود علم وفضل اس تکمیلی چیز کو حاصل کرنے کے لئے اِس لائن کے مشائخ کی غلامی کرنا پڑی۔ انہوں نے ایمان و اسلام کے مسائل میں مہارت حاصل کر لینے کو کافی نہیں سمجھا بلکہ ان کو تو اخلاص کا بھی بچپن سے وہ درجہ حاصل تھا جو اِس وقت کے عام مشائخ تصوف کو بھی حاصل نہیں لیکن ان سب ہی حضرات نے اس باطنی کمال کو جو باقی تمام کمالات کی روح ہے کو علیٰ وجہ الکمال حاصل کرنے کی خاطر حضرت حاجی صاحبؒ کی غلامی اختیار کی اور یہی پہلوانِ سب بزرگوں کی زندگی کا نمایاں اور خصوصی مشغلہ رہا تو پھر ہم ناقصین کو اس کی کس قدر ضرورت ہو گی۔

اب آپ کو نسبت احسان کی اہمیت تو حدیثِ جبریل سے معلوم ہو گئی اور کیفیت احسان کا ثمرہ کہ ثواب کا بے حد حساب بڑھ جانا دوسری احادیث مذکورہ بالا سے معلوم ہو گیا۔

اب رہی یہ بات کہ یہ کیفیت کس عمل سے حاصل ہو سکتی ہے اِس کا صحیح پتہ بھی حدیث پاک ہی

فہرست مضامین

سے چلتا ہے کیونکہ کیفیتِ احسان کا تعلق قلب سے ہے اور قلب کے متعلق فرمایا گیا ہے ان فی الجسد لمضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب (الحدیث) یعنی جسم میں ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہو جاتا ہے تو سارا بدن ٹھیک ہو جاتا ہے (یعنی بدن سے ادا ہونے والے سارے اعمال صالح ہوتے ہیں) اور اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم ہی خراب ہو جاتا ہے بنزدہ انسان کا دل ہے۔

بعض پڑھے لکھے قلب کی اصلاح کرنے کے تو قائل ہیں لیکن اس کا طریقہ خود تجویز کرتے ہیں کہ اس کے لئے ظاہری اعمال پر زور دیتے ہیں حالانکہ حدیث بالا میں اصلاح کی ترتیب دوسری آئی ہے کہ قلب کی اصلاح کو بدن کی اصلاح کا ذریعہ فرمایا گیا اور بدنی اعمال سے قلب کی اصلاح ہونا نہیں فرمایا گیا ہے۔ قلب کی اصلاح کے بغیر عبادت میں امراض قلبیہ ریا، عجب وغیرہ شامل ہو کر ان عبادات کا بے قیمت ہو جانا تو سب جانتے ہیں اگر غور کیا جائے تو فاسد قلب والے کا اپنے گناہوں پر رونے تک میں بھی اخلاص نہیں ہوتا۔

ہر چہ گیرد علتی علت شود ، کفر گیرد کاملے ملت شود

یعنی مبتلائے امراضِ روحانی کے لئے وہ اعمال بھی جو فی نفسہ صالح اور قابل غذائے روح ہیں مادہ فاسد کی طرف ہو جاتے ہیں اور اعمالِ سیئہ بن جاتے ہیں۔ کیونکہ بعض وقت تکبر کے مریض کو اپنے گناہوں کا افسوس تکبر کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے کہ ہائے مجھ جیسے متقی سے یہ کام کیوں ہو گیا اور مخلص کو اپنے پر اور اپنے گناہوں پر نظر نہیں ہوتی وہ تو سمجھتا ہے کہ میں تو اسی قابل تھا۔ مگر چونکہ یہ کام میرے محبوب مالک کی رضا کے خلاف مجھ سے ہوا ہے لہٰذا اس کی ناراضگی کے خوف سے وہ روتا ہے۔ البتہ جب تک قلبی اصلاح نہ ہو جائے اس وقت تک ظاہری اعمال کو ان کی ناقص حالت کے ساتھ ہی بجا لانا فرض ہے اور فرض کو ناقص سمجھتے ہوئے بالکل چھوڑ دینے سے قلبی اصلاح بھی نہ ہو سکے گی۔ اس کی مثال یوں ہے کہ مثلاً کسی کو کھانا ہضم نہ ہوتا ہو اور خوراک کا پورا نفع حاصل نہ ہوتا ہو تو اس کو علاج کے لئے دوا تو کھانا پڑے گی بغیر دوا کے اچھی خوراک کا

کوئی نفع نہ ہوگا لیکن دوا اور علاج کے دوران میں خوراک بالکل نہ دی بھی نہیں کی جاسکتی ورنہ خالی دوا سے مرض کو آرام تو کیا آئے گا مریض ہی مرجائے گا۔

اب یہ سوال رہ گیا کہ قلب کی اصلاح کا کیا علاج اور کیا دوا ہے اس کے لئے سینکڑوں حدیثوں میں ذکر اللہ کو فرمایا گیا ہے اور بزرگوں کی صحبت کا حکم ہے اس مقصد کے لئے یہ سارا رسالہ لکھا گیا ہے اگر آپ کو ضرورت واہمیت معلوم ہوگئی ہو تو غور سے پڑھ کر عمل شروع کردیں۔ جس کے لئے جامع شریعت وطریقت قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم کا آج کل مشورہ ہے کہ طلبِ علم کے زمانے میں اس لائن سے تعلق اور تھوڑا سا شغل رکھنا کافی ہے پھر فراغت کے بعد اس میں چند مہینے یکسوئی سے لگ کر بعد میں علمی وعملی خدمات میں لگنا چاہیئے یا خدمات کے ساتھ ساتھ اس لائن کا بھی خصوصی اہتمام کرنا چاہیئے۔

دارالعلوم بری انگلینڈ میں کامیاب تجربہ

اللہ تعالےٰ حضرت مولانا محمد یوسف متالا صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم بری کو دارین میں درجاتِ عالیہ سے نوازے کہ انہوں نے حضرت اقدس کی توجہ سے اپنے مدرسہ میں یہ تجدیدی کام کیا کہ طلباء کو ذکر شغل کی لائن میں اس طرح لگایا کہ یہ چیز نظامِ تعلیم کا گویا جزو بن گئی۔ اس کام میں حضرتِ اقدس کے دوسرے مجاز ڈاکٹر اسمٰعیل صاحب کا مشورہ بھی شامل تھا۔ اللہ تعالےٰ سب کو جزائے خیر دے۔ وہاں طلبہ اور اساتذہ مختلف مشائخ حقہ سے بیعت ہیں جن میں اکثر تو مولانا یوسف صاحب ہی سے بیعت ہیں۔ طلبہ کچھ مختصر وقت میں اجتماعی وانفرادی اوراد اور عبادت کرتے ہیں۔ صبح کی نماز کے بعد تھوڑی دیر اجتماعی مجلسِ ذکر ہوتی ہے سب اپنے اپنے طریقہ پر ذکر کی پابندی کرتے ہیں۔ پھر رات کو کھانے اور مطالعہ سے فارغ ہو کر طلباء بہت ذوق وشوق سے مولانا کی مجلس میں حاضری دیتے ہیں حالانکہ اس وقت حاضری ضابطہ میں ضروری نہیں۔ اس وقت تصوف کی کوئی کتاب بھی ہوجاتی ہے۔

اِس نظام کا اثر یہ ہے کہ اکثر بچے تہجد گزار۔ چھوٹے چھوٹے بچے رو کر دعائیں کرنے والے اپنی معاشرت میں لندن جیسی جگہ میں تقوی طہارت کا اہتمام کرنے والے کہ اخلاص و تقوٰی اور نسبت کے آثار ان کے چہروں پر نمایاں اور اس کے ساتھ اپنی تعلیم میں ہمہ تن مشغول اور مقصد تعلیم میں کامیاب ہیں ان کے اندر دین کی محبت و عظمت ایسی بھری ہوئی ہے کہ دیکھنے والے کو متاثر کرتی ہے۔ بہت سے طلبا دینی و دنیاوی حیثیت سے بڑے لوگوں کے بچے ہیں مگر اپنے یورپین معیار کے گھروں کا آرام چھوڑ کر نہایت شوق سے مدرسہ کے غریبانہ اور خانقاہی ماحول میں خوش و خرم رہتے ہیں۔ بعض تو چھٹیوں میں بھی گھر جانا اور تفریح کرنا پسند نہیں کرتے مدرسہ کے کئی اساتذہ طریقت میں مشائخ کے مجاز ہیں۔ دارالعلوم بغیر کسی بڑے دفتری عملہ کے نہایت سکون اور ضبط کے ساتھ چل رہا ہے۔

انگلینڈ جیسی فضا میں دارالعلوم کی چار دیواری میں برکات والوارات کا نزول کھلی آنکھوں محسوس ہوتا ہے اور اس کے اثرات سے عوام کے قلوب بھی مسخر ہیں۔ کہ کارکن مدرسہ دوسری جگہوں کی بڑی بڑی تنخواہوں کو چھوڑ کر مدرسہ کی معمولی تنخواہ اور بعض بلا تنخواہ خدمات انجام دے رہے ہیں انہیں خصوصیات کی وجہ سے حضرت اقدس نے اپنی غیر معمولی معذوری میں وہاں کے لئے سفر کئے ہیں۔ اکثر حضرات کو کثرت سے وہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری اور توجہات دکھائی جاتی ہیں یہ سب ذکر اللہ تبارک وتعالیٰ کی برکت ہے۔ اللہ تعالیٰ نظر بد سے بچا کر زیادہ سے زیادہ ترقیات سے نوازے اور تمام مقاصد حسنہ پورے فرمائے آمین بحرمت سید الابرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

سیہ دل تبہ کار گو میں ہوں لیکن ۔۔۔ فدائی ہوں اللہ کے عاشقوں کا
یہ امید رکھتا ہوں لطف ازل سے ۔۔۔ کہ دل میں پر تو پڑے صادقوں کا
جب دم واپسیں ہو یا اللہ ۔۔۔ لب پہ ہو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه

فہرست مضامین

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالٰے احقر مرتب کو اور تمام قارئین کے قلوب کو اپنے ذکر کے انوار سے بھردے اور ہم سب کو ذکر قلبی کی دولت سے مالامال فرمائیں کہ ذکر دل کی صفت بن جائے دل میں رچ جائے تاکہ موت کی سختی کے وقت بھی غفلت نہ ہو اور زبان پر کلمہ جاری ہو جائے کیونکہ حدیث پاک میں ہے من کان آخر کلامہ لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ یعنی وہ شخص ضرور جنت میں جائے گا جس کا آخری کلام ہو گا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ

احقر محمد اقبال مدینہ منورہ